باب ہشتم:

ہم قیدی وقت کے

اس نے خواب میں دیکھا....

وہ اس چھوٹے کمرے میں مراد کے سامنے کھڑی ہے....

آتش دان میں لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دے رہی ہے....

دروازے پہ سپاہی آواز لگا رہے ہیں کہ وہ محل سے آئے ہیں....مراد حاضر ہو.....

''تالیہ....قوم کا راہبر قوم کا باپ ہوتا ہے....اس کو قربانی دینی پڑتی ہے....یہ میری قربانی کا وقت ہے....وہ مجھے لینے آئے ہیں....مگر تم سے میں اتنا چاہتا ہوں تالیہ....کہ تم میرا ایک حکم مان لو....'' مراد سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں مگر وہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔

''جی بابا....میں کیا کروں....مجھے بتاؤ بابا۔''

''یہ قربانی تمہیں الور سونگائی کے لوگوں کے لئے دینی ہوگی....تالیہ....اور اپنے بابا کی اٹھی گردن اور وقار کے لئے....دوگی نا؟!''

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے ہیں....وہ ''ہاں'' میں گردن ہلاتی ہے۔

''میں یہ چاہتا ہوں تالیہ....کہ تم....'' وہ اس کے ہاتھ تھامے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہتا ہے۔'' تم ان تمام باتوں کو اپنے اندر راز کی طرح دفن کرو جو تم نے مجھ سے پمورو کے متعلق سنی تھیں۔''

آنسو تالیہ کی آنکھ میں ٹھہر جاتا ہے۔''وہ کیوں' بابا؟''

''کیونکہ پمورو کا باب آج سے بند ہو رہا ہے۔ سلطان مرسل نے ہمیں واپس شاہی محل بلوا لیا ہے۔ اب ہم محل میں رہیں گے تالیہ' اپنی اصلی جگہ پہ۔''

تالیہ ایک دم اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے کھینچتی ہے۔''اور شکار بازوں کا کیا ہوگا؟''

''ان کو شہزادی کے سپاہی گرفتار کر رہے ہیں' مگر ہمیں کوئی نہیں گرفتار کرے گا۔ یہ دستک دینے والے ہمیں محل لے جانے کے لئے آئے ہیں' گرفتار کرنے نہیں۔''

وہ بے یقینی سے اس کو دیکھتی ہے۔ ''مگر بابا... شہزادی کے سپاہیوں کو کیسے معلوم کہ کون شکار باز ہے' کون نہیں؟ کس نے بتائے پمبورو کے لوگوں کے نام انہیں؟''

''کسی قوم کا راہنما اس کا باپ ہوتا ہے' اس کو مشکل فیصلے لینے پڑتے ہیں۔ چند نام دینے کے عوض سوچو میں محل میں جا کر اپنے ہزاروں لوگوں کی بھلائی کے لئے کتنے کام کر سکتا ہوں۔''

''اور گاؤں کے لوگ؟ وہ تو قید خانوں میں مر جائیں گے۔ تو وہ خزانہ؟ وہ جو آپ نے لانا تھا۔ اس کا کیا؟'' وہ قدم بہ قدم پیچھے ہٹ رہی ہے۔ چہرہ سفید پڑ رہا ہے۔

''شش.... اس کا ذکر اپنے سینے میں دفن کر دو اور میرے ساتھ محل چلنے کی تیاری کرو۔ خزانہ ہمارا ہے' اور ہمارا ہی رہے گا۔''

دستک اب مسلسل ہو رہی ہے۔ مراد حاضر ہو۔ بار بار پکارا جا رہا ہے۔ مراد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

''میں ابھی ان کے ساتھ محل جا رہا ہوں' سلطان کی خدمت میں پیش ہونے۔ تم دروازہ بند کر لو اور باہر نہ نکلنا۔ اچھا!'' وہ پیار سے اس کے سر کو تھپکتا ہے مگر وہ ایک دم سر جھٹک دیتی ہے۔ مراد اثر لیے بنا باہر کی طرف بڑھ جاتا ہے....

تالیہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوتی ہے۔ مراد اسے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ سپاہی اس کو تعظیم پیش کرتے ہیں اور بگھی کی طرف لے جاتے ہیں۔ تالیہ آس پاس دیکھتی ہے۔ قریب میں بہت سے مکان قطاروں میں بنے نظر آ رہے ہیں اور سپاہی ان کے دروازے توڑ توڑ کے اندر سے لوگوں کو نکال رہے ہیں.... عورتیں ان کے پیر پڑ رہی ہیں' بچے رو رہے ہیں مگر وہ ان کے مردوں کو گھسیٹ کے گھوڑا گاڑیوں میں ڈال رہے ہیں۔

تالیہ کی آنکھیں بے بسی سے گلابی پڑنے لگتی ہیں۔

وہ ایک دم بھاگ کے الماری کے پٹ کھولتی ہے۔ اندر چھپی بوتل نکالتی ہے اور بلند کر کے دیکھتی ہے۔ بوتل کے پیندے میں چابی کے دونوں ٹکڑے بیٹھے ہیں۔

اسے معلوم ہے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ یہ مشروب پیئے بغیر وہ چابی تک نہیں پہنچ سکتی۔

وہ کارک کھینچ کے بوتل لبوں سے لگاتی ہے' اور مشروب اپنے اندر انڈیل لیتی ہے.... گھونٹ بہ گھونٹ.... مشروب اس کے خون میں شامل ہو جاتا ہے.... یہاں تک کہ چابی کے دونوں ٹکڑے اس کے لبوں سے آ ٹکراتے ہیں۔ وہ ان کو ہتھیلی پہ نکال لیتی ہے اور ڈلی کو سوراخ میں ڈالتی ہے۔ ہلکے سے کلک کے ساتھ چابی جڑ جاتی ہے۔ لمحے بھر کو وہ چمکتی ہے اور پھر.... ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔

تالیہ زنجیر میں پروئی چابی کو کلائی میں پہن لیتی ہے....

اور یہیں خواب ٹوٹ جاتا ہے۔

☆......☆......☆

''چے تالیہ.... یہ کیا کہہ رہا تھا؟'' ایڈم جھنجھلا کے اس کے پیچھے آیا۔

شہزادی کی سواری جا چکی تھی اور اس بوڑھے سے بات کرنے کے بعد تالیہ بے خودسی بازار میں چلتی جا رہی تھی۔

''تم یہیں رکو.... میرا انتظار کرو۔'' کہہ کے اس نے زیور کی پوٹلی ایڈم کی طرف بڑھائی۔

''مگر میں کیسے....''

''حکم مانو' ایڈم۔ حکم مانو۔''

''مگر مجھے بتائیں تو سہی کہ اس آدمی نے کیا کہا۔''

وہ ٹھہری اور اس کی طرف گھومی۔ اس کی آنکھیں عجیب ہو رہی تھیں۔

''اس نے مجھے بتایا ہے کہ یہ شہزادی یان سوفو تھی۔''

''تو یہ شہزادی تاشہ نہیں تھی؟''

''شہزادی تاشہ کوئی نہیں ہے' ایڈم۔ شہزادی تاشہ کوئی نہیں ہے۔''

ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''مگر میں نے خود کتابوں میں اس کا ذکر پڑھا ہے' چے تالیہ۔''

تالیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''وہ میں ہوں۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔ لمحے بھر کو دونوں خاموش کھڑے رہے۔

''خیر.... آپ کا قصور نہیں ہے۔ شہزادی کی سواری دیکھ کے میں بھی چند لمحے کے لیے خود کو شاہی منظر نامے کا حصہ سمجھنے لگا تھا مگر اب وہ جا چکی ہے۔ آپ واپس آجائیں۔'' ساتھ ہی تالیہ کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ ''یہ کتنی انگلیاں ہیں' آپ بتا سکتی ہیں؟''

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ ''ابھی جب میں اس بوڑھے سے بات کر کے ہٹی تو میں نے وہ خواب دوبارہ دیکھا جو جنگل میں دیکھا تھا مگر اس دفعہ وہ مکمل تھا۔ میرے بابا کو وہ لوگ گرفتار کرنے نہیں آئے تھے۔ عزت سے لے جانے آئے تھے۔ اور ہم تاشہ کی نہیں شہزادی یان سوفو کی بات کر رہے تھے۔ میرا باپ شہزادی کے مظالم میں برابر کا شریک ہے۔ میں کسی لکڑ ہارے کی نہیں' بندا ہارا مراد راجہ کی بیٹی ہوں۔''

ایڈم بالکل شل کھڑا رہ گیا۔ ہکا بکا۔

''اس لئے تم یہیں رکو۔ جس گھر سے ہم نے کپڑے چرائے تھے اس کے عقب میں میرا انتظار کرو۔ میں رات کو تم سے ملنے ادھر آؤں گی۔ ابھی مجھے اپنے بابا کے پاس جانا ہے۔'' وہ آگے بڑھ گئی۔

''مگر....''

''حکم مانو' ایڈم۔حکم مانو۔''اس کے قدم رک نہیں رہے تھے۔چند ساعتیں لگی تھیں اس کو بندا ہارا کے محل پہنچنے میں۔

''کس نام سے خبر کروں' شہزادی؟''محل کا پہریدار مودب انداز میں پوچھ رہا تھا اور تالیہ اوپر دیکھ رہی تھی جہاں محل کی ایک کھڑکی میں وہ شخص کھڑا تھا۔

''میرا نام تاشہ بنتِ مراد ہے۔شہزادی تاشہ۔''

☆......☆......☆

کچھ دیر بعد وہ سپاہیوں کی معیت میں اندر داخل ہو رہی تھی۔وسیع سبزہ زار۔درمیان میں پتھریلی روش۔آس پاس اونچے برآمدے اور ان کے اوپر مخروطی چھتیں۔وہ محل قدیم فنِ تعمیر کا ایک شاہکار تھا۔

برآمدہ عبور کر کے وہ محل کے اندر آئے۔کھلی کھڑکیوں کے باعث راہداریوں میں مناسب روشنی تھی مگر باہر کی نسبت قدرے اندھیرا تھا۔

سپاہی اسے ایک چھوٹے کمرے میں لے آیا جہاں طویل میز بچھی تھی اور اس کے گرد کرسیاں رکھی تھیں۔اسے وہاں چھوڑ کے پہریدار غائب ہو گیا۔تالیہ نے کرسی کھینچی مگر بیٹھی تو چونک گئی۔کرسی کی گدی ایسی نرم.... جیسے وہ ہوا پہ بیٹھی ہو۔اس نے میز کی لکڑی پہ ہاتھ پھیرا...ملائم اور چمک دار۔اس سے تو خوشبو بھی آتی تھی۔تالیہ نے تحیر سے نظریں گھمائیں۔بظاہر وہ ملائیشیا کے اچھے گھروں کے جیسا ایک سٹنگ روم ہی تھا مگر ہر شے مختلف تھی۔

پہریداروں نے ایک دم دروازہ کھولا تو وہ چونکی۔راجہ مراد تیز قدموں سے اندر داخل ہوا تھا۔ایک ہاتھ کمر پہ بندھا تھا اور دوسرا پہلو میں گرا تھا۔پیروں تک آتی شاہی پوشاک....گردن میں موتیوں کی مالا....سر پہ کپڑے کی ٹوپی۔اس سے نکلتے لمبے بال جو کندھوں کو چھوتے تھے۔

اس کی نظریں اوپر اٹھتیں مراد کے چہرے پہ آن رکیں۔

وہ دبلا پتلا چہرہ تھا۔قدرے سانولا۔جیسے دھوپ میں رنگ سڑ گیا ہو۔وہ ادھیڑ عمر مگر چھریرے بدن کا توانا مرد تھا۔آنکھیں بالکل تالیہ کے جیسی تھیں....سیاہ اور گہری مگر ان میں کچھ تھا جو تالیہ کی روشن آنکھوں میں نہ ہوتا تھا۔ایک تپش' ایک چبھتا ہوا تاثر۔جیسے ان آنکھوں کے ذریعے مراد دوسرے کے اندر تک اتر جاتا ہو۔

انہی آنکھوں سے وہ تالیہ کو دیکھ رہا تھا۔اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''بابا!''لب پھڑپھڑائے۔عجیب میکانکی سا انداز تھا۔خون کے رشتے کی کشش' جذباتیت' کچھ بھی محسوس نہ ہوا۔یہ وہ مراد نہیں تھا جس کو وہ خوابوں میں دیکھتی تھی...غریبوں کے لیے لڑنے والا ایک ہیرو...جس کے لوگوں کے لیے وہ خزانہ ڈھونڈنے نکلی تھی۔

یہ تو کوئی اور تھا۔اس شخص کے ساتھ تو طاقت اور دولت کے جن یوں چپکے تھے کہ ان سے ڈر لگتا تھا۔

ملعون۔آسیب زدہ۔

''میں...میں تالیہ ہوں۔''اس نے پھر پکارا۔وہ خاموشی سے آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورے گیا۔

''پانچ روز پہلے میں چابی لے کر چلی گئی تھی اور ایک دوسری دنیا میں کئی سال گزارنے کے بعد میں پانچ روز پہلے ہی واپس بھی آ گئی تھی۔یہ پانچ دن میں نے سلطنتِ ملاکہ کے جنگلوں میں بھٹکتے گزارے۔بدقت یہاں پہنچی تو معلوم ہوا کہ آپ بنداہارا بن چکے ہیں۔ اور....'' وہ سوگواریت سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ ایک دم مراد اس پہ جھپٹا اور اس کی گردن زور سے دبوچی۔تالیہ کا سانس لمحے بھر کو بند ہو گیا۔اسے لگا وہ اسے مار دے گا مگر....

مراد نے ایک جھٹکے سے اس کو موڑا' اس کے بال ہٹائے اور گردن کی پشت دیکھی۔(وقت کی مہر) پھر گہری سانس لی۔گرفت ڈھیلی کی اور اسے سیدھا کیا۔

''تالیہ!'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تو اس نے رکی سانس بحال کی۔چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔

''کتنے سال؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا تو لب ہلتے ہوئے بھی محسوس نہ ہوتے تھے۔

''سترہ۔''وہ ابھی تک دہلی ہوئی تھی۔

''کون سا زمانہ تھا؟''

''چھ سو سال بعد کا۔''

''تب دنیا کیسی تھی؟''وہ سوال در سوال کر رہا تھا۔تالیہ نے ایک پل کے لئے اطراف میں دیکھا۔

''اس سے بہت مختلف۔بہت الگ۔آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''کیا تمہاری شادی ہوئی؟ بچے ہیں؟''اس کا انداز میکانکی سا تھا۔بس اس کو دیکھ رہا تھا۔کوئی اپنائیت' محبت....کچھ بھی نہیں۔

''ہماری دنیا میں اتنی جلدی شادیاں نہیں ہوتیں۔''وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

اس قدیم دیوان خانے میں وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے مگر درمیان میں گویا صدیوں کا فاصلہ تھا۔دو دنیاؤں کی دوری تھی۔

''اچھی بات ہے کہ تمہیں اس دنیا نے زنجیر نہیں کیا۔تم آزاد ہو۔''

ان الفاظ میں کوئی سرد پن سا تھا جو تالیہ مراد کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سے گزرتا ہوا محسوس ہوا۔وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''بے شک۔میں آزاد ہوں۔مگر مجھے وہ چابی واپس جانے کے لئے....''

''تم نے اپنا نام غلط بتایا؟ کیوں؟''وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

''کیونکہ کوئی یقین نہ کرتا کہ میں تالیہ ہی ہوں۔ پانچ دن میں میں اتنی بڑی کیسے ہوگئی۔ اس لئے میں نے خود کو تاشہ کہلوایا۔''

''اور تاشہ کون ہے؟ میری تو کوئی دوسری بیٹی نہیں تھی۔''

''تاشہ.... اس دنیا میں میرا نام تھا.... مجھے وہاں سب یہی کہہ کے پکارتے تھے۔'' جو منہ میں آیا بولے گئی۔

''اور کیا تمہیں خزانہ ملا؟''

تالیہ نے نفی میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''نہیں۔''

''اچھی بات ہے۔ کیونکہ میں نے بھی خزانے کا خیال دل سے نکال دیا ہے۔'' وہ سپاٹ تھا۔ بالکل سپاٹ۔

''بابا.... میں چاہ رہی تھی کہ مجھے وہ چابی....''

''میں خادمِ اعلیٰ کو حکم دے رہا ہوں۔ تمہارے لئے خواب گاہ اور شاہی لباس تیار کردے گا۔ تم آرام سے رہو اور خوب کھاؤ پیو۔ تم بنداہارا کی بیٹی ہو۔ تمہیں بنداہارا کی بیٹی کے جیسا لگنا چاہیے۔''

اور بس!

راجہ مراد انہی تیز قدموں سے باہر نکل گیا جن سے وہ آیا تھا۔ دروازے پہرے داروں نے کھولے۔ اور اس کے جانے کے بعد بند بھی کردیے۔ وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

ایسا سکوت اور خاموشی۔ جیسے وہ کسی سونے سے بنی قبر میں ہو۔

ایک دم وہ بھاگ کے کھڑکی کی طرف لپکی اور پردہ ہٹایا۔ نیچے محل کے سبزہ زار پہ پہریداروں اور ملازموں کی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ حالم آنکھوں نے فوراً سے عقابی انداز میں اس سارے احاطے کا جائزہ لیا۔ محل کے گیٹ کس طرف ہیں؟ پہریدار کتنے ہیں اور کہاں ہیں؟ فرار کے کتنے راستے ہیں؟ ممکنہ ہتھیار؟ سیکیورٹی جھول؟

(کیا میں ایک قید سے نکل کے دوسری میں آگئی ہوں؟) ذہن میں کوئی بار بار پوچھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

بازار کی گلی کے دونوں اطراف دکانوں پہ گاہکوں کا رش لگا تھا۔ ایڈم زیور کی پوٹلی لباس میں چھپائے' لوگوں کے درمیان آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر ادھر دیکھتا چوکنا' اور محتاط سا۔ لٹو کی شکل والا ہیٹ سر پہ پہن رکھا تھا۔ سو چہرہ مکمل طور پہ واضح نہ تھا۔

چند موڑ مڑے تو ایک دکان کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ ایڈم کے قدم اسی جانب اٹھ گئے۔

وہ بڑا سا ہال تھا۔ اندر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ دور دور تک میزیں بچھی نظر آ رہی تھیں جن پہ بیٹھے لوگ بے فکری سے باتوں میں مصروف قہوے پی رہے تھے اور کھانے کھا رہے تھے۔ ایڈم کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ یہ کوئی سرائے تھی۔ یا شاید قہوہ خانہ۔

اس نے کندھوں کو اکڑایا' اور اندر داخل ہو گیا۔ آگے ایک آدمی چل رہا تھا۔ ایڈم کے حلیے جیسا حلیہ بنائے وہ کندھے پہ ایک تھیلا اٹھائے ہوئے تھا۔ ایڈم نے دیکھا کہ اس نے تھیلا ایک میز پہ دھرا اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ پھر چٹکی بجائی اور اندرونی دروازے سے نکلتے لڑکے کو دیکھ کر انگلیوں کی وی دکھائی۔

ایڈم اس کے انداز کی نقالی کرتے ایک دوسری میز تک آیا اور اسی طرح بیرے کو انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔ لڑکا اثبات میں سر ہلا کے اندر چلا گیا۔ اندر غالباً قہوہ خانے کا باورچی خانہ تھا۔

اب ایڈم نے احتیاط سے قرب وجوار میں بیٹھے افراد کا جائزہ لیا۔ لوگ ٹولیوں کی صورت بیٹھے بے فکری سے باتیں کر رہے تھے۔ کوئی ہنس رہا تھا' کوئی سنجیدگی سے کچھ سنتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔ زبان وہی انجان سی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بیرا ان دونوں کے لیے الگ الگ کھانا لے آیا۔ پہلے تھیلے والے کے سامنے طشت سجائی۔ پھر ایڈم کے پاس آیا اور ایک سوپ کا پیالہ اور ایک مشروب کا گلاس سامنے رکھا۔ پیالے میں دھاتی چمچ رکھا تھا جس سے ایڈم نے سوپ چکھا۔ مچھلی کا سا ذائقہ آیا مگر برا نہیں تھا۔ وہ چمچ بھر بھر کے پینے لگا۔

کنکھیوں سے اس نے دیکھا کہ تھیلے والا کسی کے آواز دینے پہ پیالہ چھوڑ کے اٹھ گیا ہے۔ دور تین چار افراد کا ایک گروہ بیٹھا تھا جو ہنس کے اونچے نعروں سے اس کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ تھیلے والا ہنستے ہوئے جواب دیتا باری باری ان سے ہاتھ ملانے لگا۔ شاید کوئی پرانے دوست تھے۔

ایڈم نے سوپ درمیان میں چھوڑا' تیزی سے اٹھا اور اس کی میز کے قریب سے گزرتے گزرتے اس کا تھیلا اٹھا لیا' پھر پیچھے دیکھے بنا تیزی سے باہر نکل گیا۔ اتنے رش میں کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

گلی میں جاتے ہی اس نے ایک طرف سرپٹ دوڑ لگا دی۔ وہ بھاگتا رہا' بھاگتا رہا' یہاں تک کہ مکانوں والی اسی گلی میں آ پہنچا جہاں ایک مکان میں صبح انہوں نے لباس تبدیل کیا تھا۔

ایک درخت تلے رک کے گہرے گہرے سانس لیتے اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔ کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔

''اے میرے اللہ تعالیٰ!'' ایڈم نے بے چارگی سے اوپر دیکھ کے شکوہ کیا۔ ''اس چوری کا گناہ آپ کو چے تالیہ کے سر ڈالنا ہوگا۔ انہوں نے ہی مجھے ایسے کام کرنے کی ترغیب دی ہے۔''

پھر کانوں کو باری باری چھو کے استغفار پڑھا اور تھیلا کھولا۔ دن کی روشنی اتنی تھی کہ وہ باآسانی اندر جھانک سکتا تھا۔

اور اندر جھانک کے اسے جھٹکا لگا۔ اس میں چند سکوں کے علاوہ قلم' دوات اور کاغذوں کا ایک بنڈل رکھا تھا۔ مزید کوئی پیسے نہ تھے۔ ایڈم نے کاغذ نکال کے دیکھے۔ وہ ذرا سخت مادے کے بنے قدرے زردی مائل سفید تھے۔ پہلے صفحے پہ چند الفاظ لکھے تھے۔ اس نے

پڑھنے کی کوشش کی۔

''بنگارایا ملایو۔'' (ملے گل خطمی۔)

''بنگارایا ملایو!'' اس نے اچنبھے سے دہرایا۔ یہ نام اس نے کہاں سنا تھا؟ بنگارایا (گل خطمی) ملائیشیاء کا قومی پھول تھا مگر یہ نام.... یہ کچھ سنا سنا لگ رہا تھا۔

اور پھر ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔ بنگارایا ملایو تاریخ کی ایک کتاب تھی جو اسکول کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھی۔ وہ مرسل شاہ کے عہد میں لکھی گئی ایک تاریخی داستان تھی جو شہزادی تاشہ پسونا کی زندگی پہ مبنی تھی۔ اس میں اس دور کے حالات کا بھی تذکرہ تھا۔ مگر یہ داستان ایڈم نے کبھی نہیں پڑھی تھی۔ اسکول میں اس نے آپشن میں چھوڑ دی تھی' اور شہزادی تاشہ کا جتنا ذکر اسے معلوم تھا' وہ ساتھ والے کلاس فیلوز کی منہ زبانی سن رکھا تھا۔ بنگارایا ملایو پڑھنے کی اس نے زحمت ہی نہیں کی تھی البتہ دوسری تاریخی کتب اس نے ڈھیروں کی تعداد میں پڑھ رکھی تھیں۔

''از عبداللہ بن ابوبکر۔'' ساتھ لکھنے والے نے اپنا نام درج کر رکھا تھا مگر آگے تمام صفحات کورے تھے۔ ابھی اس نے کتاب تحریر کرنا شروع نہیں کی تھی۔

تو سرائے والا آدمی کوئی لکھاری تھا۔ یا مورخ۔ اور اس کو لوگ جانتے پہچانتے تھے۔ تبھی چند لمحوں میں وہ لوگوں میں گھِر گیا تھا۔

مگر.... ایڈم الجھا۔

بنگارایا ملایو کے مصنف کا یہ نام نہ تھا۔ اس کا نام کوئی اور تھا۔ مگر شاید اسے یاد کرنے میں غلطی ہو رہی ہو۔ خیر.... اس نے تھیلا کندھے پہ چڑھا لیا۔ تھیلے کا لمبا سا اسٹریپ تھا جس کو کندھے پہ پہنو تو تھیلا پہلو میں آگرتا تھا۔

ایڈم نے سکے جیب میں رکھے' ہیٹ سر پہ درست کی اور اب کے قدرے اعتماد سے ایک طرف کو چل دیا۔

☆......☆......☆

صبح اس قدیم احاطے پہ بھی پھیلی تھی۔ برآمدوں میں بنی طویل جیل کی سلاخوں کے ساتھ کچھ قیدی کھڑے تھے' کچھ نیچے بیٹھے تھے۔ وان فاتح بھی ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ دو آدمی قیدیوں میں کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ دونوں اس جیل کے پہرے دار بھی تھے۔ ایک کی بغل میں تھیلا لٹکا تھا جس میں کھانے کا سامان تھا۔ وہ تھیلے میں ہاتھ ڈالتا' ایک گیند جیسی سفید چیز نکالتا اور ایک ایک قیدی کو دیتا آگے بڑھتا جاتا۔ قیدی جھپٹ کے اسے تھامتے اور دانتوں سے کترنے لگتے۔ دوسرا پہریدار کوڑا (ہنٹر) لہراتا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ عجیب خوف اور ہیبت تھی اس کے انداز میں۔ قیدی سر جھکائے اپنے اپنے توشے تھامتے اور فٹافٹ کھانے لگتے۔

فاتح خاموشی سے کوڑے والے کا کوڑا دیکھ رہا تھا۔ یہ کس کے لئے تھا بھلا؟

دفعتاً پہریدار فاتح سے چند قدم کے فاصلے پہ آ رکا۔ وہاں ایک سنہری بالوں والا قیدی بیٹھا تھا۔ وہ البینو تھا۔ (پیدائشی بہت گورے سنہری بالوں والے لوگ) چہرے پہ ناراضی اور لاتعلقی تھی۔ پہریدار نے کھانا اس کی طرف بڑھایا' اور ابھی البینو نے ہاتھ بھی نہ اٹھایا تھا کہ اس نے کھانا گرا دیا۔

وہ البینو کے قدموں میں مٹی پہ گر گیا۔ جہاں فاتح بے یقین رہ گیا' وہاں سارے میں خاموشی چھا گئی۔ سب مڑ مڑ کے دیکھنے لگے۔ البینو کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''اسے کھاؤ!'' پہریدار گرج کے بولا' مگر البینو بس اسے غصے سے دیکھے گیا۔ پہریدار دوبارہ چلایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

کوڑے والا آگے آیا اور کوڑا لہرا کے البینو کے بازو پہ مارا۔ البینو نے آنکھیں بند کر لیں۔ لبوں سے کراہ نکلی۔ مگر اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اب ایک پہریدار اس کو مار رہا تھا' دوسرا چلا چلا کے گرد آلود کھانا کھانے کو کہہ رہا تھا' مگر البینو خاموشی سے مار کھاتا رہا۔

قیدیوں کی گردنیں وان فاتح کی طرف گھومنے لگیں۔ نیا آنے والا جری مرد جو سب میں ممتاز لگتا تھا' یقیناً شجاع بھی ہوگا' شاید وہ اس مظلوم کو اس ظلم سے بچائے۔ وہ سب کو اپنی طرف دیکھتا محسوس کر رہا تھا' مگر خاموش بیٹھا رہا۔ بوڑھے کے بازوؤں سے اب خون رسنے لگا تو پہریدار اسے چھوڑ کے آگے بڑھ آئے۔ باقی قیدیوں میں کھانا تقسیم کیا۔ ایک سفید گیند فاتح کی طرف بھی بڑھائی جو اس نے تھام لی۔

اردگرد بیٹھے لوگ مایوسی سے واپس اپنے اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کو امید تھی کہ وہ پہریداروں کو دو لگا دے گا' ان کا ہاتھ روک دے گا' مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وان فاتح خاموشی سے اپنا کھانا کھا رہا تھا۔ نظریں اب بھی چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بالکل خاموشی سے۔

☆......☆......☆

ملاکہ شہر میں سمندر کنارے چھوٹی چھوٹی سبز پہاڑیاں بنی تھیں جن میں سے ایک کی چوٹی پہ بنداہارا کا وہ خوبصورت محل واقع تھا۔ مخروطی چھتوں سے مزین' وہ لکڑی کا بنا محل تھا اور اس کے ہرے بھرے سبزہ زاروں میں شاہی پہریدار پہرہ دیتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک اونچی کھڑکی میں تالیہ مراد کھڑی نظر آ رہی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' سنجیدگی سے وہ نیچے جھانک رہی تھی۔ اس کے تو اتنے لمبے بال بھی نہ تھے جو کھڑکی سے گرا کے اس کی سیڑھی بن جاتے اور اسے آزاد کر دیتے۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ مڑی اور پردہ تیزی سے بند کر دیا۔ اب کمرے میں روشنی قدرے کم ہو گئی تھی۔ یہ وہی دیوان خانہ تھا جس میں کچھ دیر پہلے وہ راجہ مراد سے ملی تھی۔ دستک پھر سے ہوئی۔

''آ جاؤ یار۔'' وہ سستی سے بولی' پھر فوراً آواز کو بارعب بنایا۔

''آ جاؤ!'' کندھے سیدھے کیے اور گردن اکڑا لی۔

دروازے کھلے۔اور ایک ملے لڑکی اندر داخل ہوئی۔چوٹی بنائے' روایتی لباس کو زرد اور سرمئی رنگ میں پہنے' (گویا یونیفارم ہو) وہ سامنے آئی اور سر جھکا کے سلام کیا۔''سلام' شہزادی!''

''ہاں بولو۔''

لڑکی نے آنکھیں اٹھائیں۔وہ کوئی کنیز لگتی تھی۔

''آقا نے مجھے آپ کی خدمت پہ مامور کیا ہے۔میرا نام شریفہ ہے۔آج سے میں آپ کی خاص خادمہ ہوں۔''

''اچھا!''اس نے بے نیازی سے سر کو خم دیا۔

''مجھے آپ کے لباس کا ناپ لینا ہے۔آج آپ مہمان خانے میں رہیں گی' صبح تک ہم آپ کے لیے پوشاک تیار کروا دیں گے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔لے لو ناپ۔''اس نے ابرو اچکا کے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔کنیز پلٹی اور کسی کو اشارہ کیا۔ایک لمبی قمیض اور ٹوپی والا تاتائی زیان (خواجہ سرا غلام) اور دو کنیزیں اندر آئیں۔ان کے ہاتھوں میں ناپ کے فیتے' مختلف اوزار اور چند ایک تھال تھے جن پہ طرح طرح کے رنگوں کی ریشم تہہ کی گئی رکھی تھی۔کسی میں زیورات' کسی میں موتی۔

تالیہ نے ایک نظر دیوار پہ لگے بیضوی آئینے کو دیکھا جس کے کناروں پہ سنہری کام ہوا تھا۔تالیہ کا عکس اس میں صاف نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے پہ بے چینی اور آنکھوں میں ناخوشی تھی۔عجیب سی اداسی' اور پریشانی۔

یہی سب وہ چاہتی تھی۔نہیں؟

محل۔شاہزادیوں والی زندگی۔زیور۔مگر....یہ سب پا کر بھی اسے سب سے زیادہ فکر کس کی تھی؟

اس کی جسے وہ پنجرے میں چھوڑ آئی تھی۔

وہ جس کے ہاتھ بندھے تھے۔

وہ جس کی زنجیریں کھول کے وہ اسے آزاد نہیں کر سکی تھی۔

وہ جو اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا کہ مجھے چھوڑ کے بھاگ جاؤ۔

(وہ یہ کیوں نہیں کہتا تھا کہ میرے ساتھ رہو؟ کب کہے گا وہ یہ؟)

اس نے بازو اٹھا دیے اور آنکھیں بند کر لیں۔اس کی خدمت پہ مامور غلام اور کنیزیں جھٹ پٹ اس کا ناپ لینے لگے۔

(میرے ساتھ رہو۔تمہیں میری اور مجھے تمہاری ضرورت ہے۔)

وہ آواز....وہ پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔

☆......☆......☆

بازار میں وہی معمول کی گہما گہمی لگی تھی۔کافی لوگ آ جا رہے تھے۔بول بھی رہے تھے مگر ویسا شور اور آوازیں نہ تھیں جو اپنے زمانے میں ایڈم نے بازاروں میں سنی تھیں۔ٹی وی کا شور ٹریفک کی آوازیں۔ملاکہ کا قدیم شہر ان سب سے پاک تھا۔وہاں ایک خاموشی سی تھی۔مقدس، پرسکون خاموشی۔جس کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی چاپ یا بگھیوں کے پہیوں کی آوازیں بھی گھائل نہ کر سکتی تھیں۔

ایسے میں ایڈم غور سے تمام عمارتوں کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔لٹو کی شکل کا ہیٹ سر پہ تھا' اور چوری شدہ تھیلا کندھے پہ۔وہ ایک ایک دوراہے پہ رکتا' اور پھر اندازے سے ایک طرف بڑھ جاتا۔رات وہ کس طرف سے بھاگتے ہوئے شہر سے باہر گئے تھے' اس کی اچھی یادداشت کو صد شکر کچھ بھولا نہیں تھا۔

ایک موڑ مڑا تو بے اختیار لبوں سے اطمینان بخش سانس خارج ہوئی۔سامنے ہی اس وسیع احاطے کا گیٹ تھا جس کے اندر وان فاتح بند تھا۔ایڈم ٹھہر گیا۔ادھر ادھر دیکھا۔یہ بازار کا ہی علاقہ تھا' رہائشی علاقہ نہ تھا۔یہاں گلی میں ایک ہی چائے خانہ بنا نظر آ رہا تھا۔وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

اس چائے خانے میں بیٹھ کے وہ آسانی سے اس احاطے پہ نظر رکھ سکتا تھا۔وان فاتح کے ''قریب'' پہنچ کے ہی اس کے اندر توانائی بھر گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ احاطہ دراصل ابوالخیر نامی امیر تاجر کی حویلی کے گرد بنا تھا اور برآمدے میں تعمیر شدہ وہ طویل جیل اس کی ذاتی ملکیت تھی جہاں فاتح سمیت بہت سے دوسرے انسان قید تھے۔رات بھر وہ اندر مقید رہتے اور دن بھر وہ مشقت کرتے۔

صبح سلاخ دار دروازے کھول دیے گئے اور پہریدار قیدیوں کو قطار کی صورت باہر نکال لائے۔ہر قیدی کے پیروں اور ہاتھوں میں لمبی زنجیر بندھی تھی۔اتنی لمبی کہ وہ ہاتھ پیر ہلا کے کام کر سکتا تھا' اتنی چھوٹی کہ وہ تیز بھاگ نہ سکتا تھا۔

پہریدار دو قیدیوں کو اپنے ساتھ حویلی کے اندر لے گئے اور جب واپس آئے تو وہ دونوں ان کے ہمراہ نہ تھے۔جانے ان کے ساتھ کیا ہوا۔کوئی پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

باہر سڑک پار ایک اونچی عمارت بنائی جا رہی تھی جس کے پاس لکڑی' گارے' مٹی اور اینٹوں کے ڈھیر لگے تھے۔قیدیوں کو وہاں تعمیراتی کام کرنا تھا۔باہر آتے ہی تمام قیدی روز کی روٹین کے مطابق اپنے اپنے کام میں جت گئے۔فاتح بھی انہی لمبی زنجیروں میں بندھا تھا۔جینز گھٹنوں سے پھٹ گئی تھی اور سفید شرٹ شدید گدلی ہو چکی تھی۔شیو بھی پانچ روز کی بڑھی ہوئی تھی۔دوسرے غلاموں کی پیروی میں وہ بھی خاموشی سے کام کرنے لگا۔دھوپ تیز تھی اور زنجیروں کے باعث چلنے میں مشکل پیش آتی تھی مگر اس نے گارے کا تھال سر پہ رکھا اور اس طرف لے جانے لگا جہاں دوسرے قیدی جا رہے تھے۔

سورج سوا نیزے پہ پہنچا تو فاتح سڑک پہ چلتے لوگوں سے بے نیاز کھڑا' ایک دیوار پہ گارا لیپتا دکھائی دے رہا تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ وہ بار بار آستین سے پیشانی پہ آیا پسینہ پونچھتا۔ سڑک کنارے وہ لوگ دیوار تعمیر کر رہے تھے۔ ادھر اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑتا' ادھر کوئی پہریدار آ کے کمر پہ چھڑی رسید کرتا۔

قریب میں ایک خوانچہ فروش اپنی ریڑھی دھکیلتا آ رہا تھا۔ جب وہ فاتح کے قریب پہنچا تو کسی گاہک نے اسے روک لیا۔ وان فاتح اپنے ساتھ کھڑی ریڑھی سے بے نیاز دیوار پہ ہاتھوں سے گارا لگا رہا تھا۔

''سر!'' سرگوشی پہ اس کے ہاتھ ٹھٹھک کے رکے۔ چونک کے مڑنے لگا مگر.....

''گارڈز دیکھ رہے ہیں سر۔ میری طرف مت گھومیں۔ اپنا کام کریں۔'' فاتح نہیں گھوما' بس آہستہ سے ازسرنو گارا ملنے لگا۔ پھر اسی آہستگی سے رخ ذرا سا موڑ لیا۔

اب اسے کنکھیوں سے نظر آ رہا تھا کہ ریڑھی کے ساتھ سر جھکائے' ہیٹ پہنے' وہ معزز سا دکھائی دیتا آدمی ایڈم ہی تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ لب ہلائے بغیر بولا۔ دل کو سکون سا ملا تھا۔

''جی سر۔ مگر آپ ٹھیک نہیں ہیں۔'' ایڈم سر جھکائے' منہ میں بولتا' ریڑھی کی ایک ایک چیز اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔

''اور تالیہ؟'' اس نے اپنے متعلق سوال نظرانداز کیا۔

''آہ.... چے تالیہ!'' ایڈم نے گہری سانس بھری۔ ''وہ بھی ٹھیک ہیں۔ بلکہ سب سے زیادہ تو وہی ٹھیک ہیں۔''

''تم الور سونگائی کیوں نہیں گئے؟ تمہیں مراد کو ڈھونڈنا تھا۔'' فاتح اب جھک کے تھال سے مزید گارا ہاتھوں پہ اٹھا رہا تھا۔ انداز میں ناخوشی تھی۔

''ہم شہر سے باہر تک گئے' پھر چے تالیہ ہمیں واپس لے آئیں۔ وہ آپ کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہتی تھیں۔''

''بے وقوف!'' خفگی سے سر جھٹک کے سیدھا ہوا اور پتھروں کی تہہ پہ گارا ابھرا۔ ''ابھی کہاں ہے وہ؟''

''صبح ہم نے ایک گھر سے کپڑے.... ادھار لے کر پہنے (تھوک نگل کے کہا) اور پھر ہم بازار آ گئے۔ وہاں سے وہ مجھے رات میں ملنے کا کہہ کے بنداہارا کے محل چلی گئیں۔''

''وہ محل کیوں چلی گئی؟''

ایڈم نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے فاتح کو دیکھا' جس کا یہاں سے نیم رخ نظر آتا تھا۔ وہ سنجیدہ صورت بنائے گارے کی تہہ پہ پتھروں کی تہہ لگا رہا تھا۔ پسینے سے بھیگے بال شکن آلود پیشانی پہ جمے تھے۔

''وہ دراصل.... بات یہ ہے کہ....'' ایڈم نے تھوڑی کھجائی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے یہ بات کہے۔ ''چے تالیہ کو ابھی معلوم

ہوا ہے کہ....وہ خود ہی....دراصل....شہزادی تاشہ ہیں۔“

گارا لپیٹتے وان فاتح کے ہاتھ تھم گئے۔ بالکل ساکت۔

”جی‘ یہ سچ ہے‘ سر۔“ اس کی خاموشی پہ ایڈم کا حوصلہ بڑھا۔ ”وہ شہزادی تاشہ جن کے قصے ہم پڑھتے تھے‘ جن کے بارے میں بنگا رایا ملایو لکھی گئی تھی‘ وہ دراصل چے تالیہ ہی ہیں۔ وہی بنداہارا کی بیٹی ہیں‘ اور وہ.....“

فاتح سر جھکا کے ایک دم ہنس پڑا۔ ایڈم کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔

”اس نے محل کی طرف جانے سے پہلے تمہیں کہا کہ وہ شہزادی تاشہ ہے اور تم نے یقین کر لیا؟“ محظوظ انداز میں سر جھٹکا تو ایڈم کو سمجھ نہیں آئی وہ کیا کہے۔

”سر‘ وہ واقعی....“

”This is Taliyah for you , Adam!“ وہ اب بدقت مسکراہٹ دبا کے دیوار پہ گیلی مٹی لیپ رہا تھا۔ ”وہ ایک کون آرٹسٹ ہے‘ وہ کہانیاں گھڑتی ہے‘ She lies for a living۔ اس نے تم سے مذاق کیا....ایک کہانی گھڑ دی اور تم نے یقین کر لیا۔ تمہیں کتنی دفعہ بتایا ہے میں نے کہ وہ تمہیں تنگ کرنے کے لئے ایسا کرتی ہے۔“

”نہیں سر‘ آپ غلط سمجھ رہے ہیں‘ وہ واقعی....“

”وہ جہاں بھی جا رہی ہوگی‘ وہ شیئر نہیں کرنا چاہتی ہوگی۔ تھوڑی عقل استعمال کرو۔ اس کی عادت ہے تمہارے ساتھ مذاق کر کے تمہیں شرمندہ کرنا۔“

خوانچہ فروش اب ایڈم سے مایوس ہو چکا تھا جو ہر چیز کو مسلسل الٹ پلٹ کے دیکھے جا رہا تھا مگر خریدنے کی بات نہیں کرتا تھا۔ تنگ آ کے وہ اپنی ریڑھی دھکیلنے لگا۔ پہریدار دور کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔ ایڈم نے بےبسی سے اطراف میں دیکھا۔ یہاں کھڑے رہنے کا جواز چھوٹ رہا تھا۔

”سر....وہ واقعی میں شہزادی تاشہ ہیں‘ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھیں‘ وہ....“

”مراد کو ڈھونڈو۔ الور سونگائی جاؤ اور چابی لے کر آؤ۔ اور اگر مراد قید میں ہے تو اس قید خانے کا پتہ لگاؤ۔“

فاتح کام میں مصروف تھا۔ ایڈم کے پاس اب آگے بڑھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

تھال خالی ہوا تو فاتح نے زنجیر والے ہاتھوں سے اسے اٹھاتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ ایڈم اب وہاں نہیں تھا۔

”تالیہ بھی اس بےچارے کے ساتھ بہت زیادتی کر دیتی ہے۔“ مسکراہٹ دبا کے سر جھٹکا اور تھال اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

عشاء کی اذان کے ساتھ ہی ملاکہ شہر کی ساری مشعلیں اور قندیلیں بجھتی گئیں۔ مسجدوں سے گھروں کا رخ کرنے کے بعد لوگوں نے دروازوں کے کنڈے چڑھا لئے اور کھڑکیوں کے پردے گرا دیے۔ شہر گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اوپر تاروں سے جھلملاتا آسمان البتہ خوب روشن تھا۔

ایسے میں چند مکانوں کے عقب میں ایک درخت تلے ایڈم بیٹھا تھا۔ تھیلے کو سینے سے لگائے' وہ احتیاط سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے گردونواح میں دیکھتا تھا۔ رات کے اس پہر سب کچھ سنسان اور خاموش تھا۔

''ایڈم!'' پیچھے سے نسوانی سرگوشی ہوئی تو وہ اچھل ہی پڑا۔ پھر تالیہ کو دیکھ کے جان میں جان آئی۔ وہ صبح والے لباس میں تھی' مگر سر پہ لٹو والا ہیٹ تھا۔ ایڈم نے چہرے پہ خفگی طاری کی۔

''کہاں تھیں آپ؟'' دبی دبی آواز میں پوچھا۔

''میں اپنے بابا کے پاس گئی تھی۔ راجہ مراد میرے بابا ہیں۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے جلدی سے بولی۔ اداس بھی لگ رہی تھی۔ سنہری بال جوڑے میں تھے اور چند لٹیں گالوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ مذاق تو نہیں کر رہیں نا؟''

''نہیں۔ میں تو کامیڈین ہوں۔ میری زندگی میں تم سے مذاق کرنے کے علاوہ دوسرا کام کون سا رہ گیا ہے؟'' اس کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی۔ ایڈم خفیف سا ہوا۔

''نہیں' میرا مطلب ہے' میں کیسے یقین کروں کہ آپ ایک دم سے شہزادی نکل آئی ہیں' ہاں؟ کل تک تو آپ لکڑہارے کی بیٹی تھی' اور آج بندا ہارا کی؟''

تالیہ نے گہری سانس لی۔

''دیکھو ایڈم!'' آرام سے سمجھانے لگی۔ ''اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق نوازتا ہے۔ کسی کو کچھ کم دیتا ہے' کسی کو زیادہ دیتا ہے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے صرف کھوپڑی سے نوازا ہے' اور اندر دماغ کے نام پہ جو دیا ہے نا' وہ پہلے ہی بہت تھوڑا ہے۔ اس پہ زیادہ زور دو گے تو خدانخواستہ ختم ہو جائے گا۔ سوچ سمجھ کر کے میری بات سنو!'' ٹون بدل کے غرائی تو ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

''اچھا۔ مان لیا۔ آپ ہی شہزادی ہیں۔'' بھنویں اکٹھی کر کے ناراضی سے بولا۔ ''تو پھر شہزادی تاشہ پہ اتنے دن سے غصہ کیوں کر رہی تھیں؟''

''کیونکہ میں اپنے خواب کو ٹھیک سے سمجھ نہیں سکی تھی۔ جس شہزادی کو اس میں ظالم کہا جا رہا تھا وہ یان سوفو تھی۔ شہزادی تاشہ کوئی نہیں تھی۔ میرے بابا سلطان مرسل کے پھوپھی زاد ہیں۔ سلطان مرسل کے والد کی حکومت میں ان کو شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ وہ الور سونگائی

نامی گاؤں چلے گئے اور وہاں باغیوں کی ایک تنظیم بنالی جس کا نام پمبو رو تھا۔ وہ سلطان کی پالیسیز سے نالاں تھے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے مگر جب سلطان مر گیا اور اس کا بیٹا مرسل سلطان بن گیا اور اس کے بنداہارا اور شہزادی یان سوفو نے مل کے پمبو رو کے لوگوں کو گرفتار کیا اور ان کے گھر اجاڑے تو بابا نے اپنے لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور بنداہارا کے ساتھ مل گئے۔ یوں بنداہارا نے ان کو دوست سمجھ کے ان کو مرسل سے معافی دلوادی۔ اس کے بعد بابا نے مرسل شاہ پہ جانے کون سا جادو کیا کہ بابا کے کہنے پہ مرسل نے پچھلے بنداہارا کو پھانسی چڑھا دیا اور بابا کو بنداہارا کی گدی دے دی۔ اب شہزادی یان سوفو بابا کی دشمن ہوگئی ہے۔ چند دن بعد اس کی سلطان مرسل سے شادی ہو رہی ہے مگر مجھے لگتا ہے مرسل شاہ اپنی شہزادی سے زیادہ میرے بابا کے زیر اثر ہے۔"

"بڑے کوئی ولن ہیں آپ کے بابا۔ وہی تو میں سوچ رہا تھا کہ آپ کس پہ گئی ہیں۔" پھر تالیہ کے گھور کے دیکھنے پہ گہری سانس لی۔ "خیر.... ہمیں ان کی لڑائیوں سے کیا۔ آپ یہ بتائیں' آپ کے بابا چابی دے رہے ہیں یا نہیں؟"

"یہ سب اتنا سادہ نہیں ہے۔" وہ ڈپٹ کے بولی اور سارے دن کی روداد سنا دی۔ اندھیرے میں درخت تلے کھڑے وہ دو ہیولے لگتے تھے جو دبی سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

"یعنی راجہ مراد آپ کو اسی دنیا میں رکھنا چاہتے ہیں' اور وہ چابی کے بارے میں کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہیں؟" وہ ساری بات سن کے سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ عجیب انسان ہیں' ایڈم۔ شاطر' چالاک اور بہت ہشیار۔ ہمیں ان سے چھپا کے پلان کرنا ہے جو بھی کرنا ہے۔"

"آپ باہر کیسے نکلیں محل سے۔"

"چھتیں پھلانگنا اور دیواریں کودنا آتی ہیں مجھے۔" ناک سے مکھی اڑائی۔

"تو اب آپ محل میں رہیں گی؟" قدرے رشک سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ تم ابھی کسی سرائے میں رہ لو۔ میں تمہارے لئے سکے لائی ہوں۔" اس نے ایک پوٹلی سی ایڈم کی طرف بڑھائی۔ ایڈم نے جلدی سے وہ تھام لی۔ "یہ تو بھاری ہے۔ خیر.... اب تو آپ کے پاس کافی دولت آگئی ہوگی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بمشکل ایک کمرے سے نکال کے لائی ہوں۔ کسی کو اپنی طرف سے مشکوک بھی تو نہیں کر سکتی نا۔" پھر ٹھہر گئی۔ اور غور سے دیکھا۔ ایڈم تھیلے میں پوٹلی ڈال رہا تھا۔

"یہ تم نے کہاں سے لیا؟ دکھاؤ۔" مشکوک انداز میں بولی تو اس نے جھٹ تھیلا کھول کے دکھایا۔

"ایک سرائے میں بیٹھے کسی آدمی سے چرایا ہے۔ وہ بنگارایا ملایو کے نام سے کتاب لکھ رہا تھا مگر پیسے وغیرہ نہیں تھے اس کے پاس۔ کنگال رائٹر۔ ہونہہ۔" مایوسی سے کورے صفحے نکال کے دکھائے اور واپس اندر ڈال دیے۔ پھر یاد آیا۔

''میں آج ملا فاتح صاحب سے۔''

تالیہ چونکی۔ ''واقعی؟''

''جی جی تالیہ۔ ان کو ساتھی قیدیوں سمیت اس احاطے کے باہر والی دیوار کی تعمیر کا حکم ملا ہے' وہ وہیں تھے۔ میں نے ان سے بات کی۔ ان کو یہ سب....'' (تالیہ کی طرف شرمندہ سا اشارہ کیا۔) بھی بتایا۔''

''یہ سب کیا؟''

''یہی کہ....آپ ہی.... (تھوک نگلا) شہزادی تاشہ ہیں۔''

''اچھا!'' اس نے گردن ذرا اکڑاتے ہوئے نزاکت سے لِٹ انگلی سے پیچھے کی۔ ''تو کیا کہا انہوں نے؟'' سرسری سا پوچھا۔

''یہی کہ آپ تو پیدائشی چور ہیں اور ماشاءاللہ سے جھوٹی کہانیاں گھڑنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اس لیے یہ بھی کوئی کہانی ہی ہے جو آپ نے مجھے فیڈ کر دی ہے اور بہتر ہے کہ میں آپ کی بات کا یقین نہ کروں اور الور سونگائی جا کر لکڑ ہارے مراد کو ڈھونڈ وں' اس سے چابی لوں' اور ہم تینوں واپس چلے جائیں۔ ان کو لگتا ہے میں آپ کی من گھڑت کہانیوں پہ جلدی اعتبار کر لیتا ہوں کیونکہ....'' آنکھیں سادگی سے جھپکائیں۔ ''میں کتابیں جو بہت پڑھتا ہوں۔''

ادھر اس کی بات ختم ہوئی' ادھر دانتوں پہ دانت جمائے تالیہ مراد کا چہرہ مارے غصے کے سیاہ پڑتا گیا۔

''ہونہہ۔ ان کو انسانوں کی پہچان کبھی بھی نہیں تھی۔'' اور پیر پٹخ کے اٹھ گئی۔ ایڈم نے ہڑبڑا کے پکارا۔

''آپ جا رہی ہیں....تو پھر اب ہم کہاں ملیں گے؟''

''کل صبح احاطے کے سامنے وان فاتح کے ساتھ میرا انتظار کرنا۔ روشنی ہونے کے پورے گھنٹے بعد میں تم سے ادھر ہی ملوں گی۔''

وہ مڑے بغیر بولی اور آگے بڑھ گئی۔ ایڈم ارے ارے کرتا رہ گیا مگر وہ اندھیرے میں گم ہو چکی تھی۔

ایڈم نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ شہر گھپ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ مکان تاریک پڑے تھے۔ سرائے چند کوس کے فاصلے پہ تھی۔ وہ وہاں پہلے ہی کمرہ لے چکا تھا' اور اسے چینی سمجھ کے اشاروں کی زبان میں بات کر کے سرائے کے مالک نے تسلی بھی کر لی تھی۔ اس کا کمرہ فی الحال اس کا انتظار کر رہا تھا سو وہ اسی سمت میں چل دیا۔ یہ تھیلی اس کے لیے کافی تھی۔

☆......☆......☆

صبح سورج کا تھال ملاکہ کے قدیم آسمان پہ نمودار ہونے لگا تو روشنی کی کرنیں سلاخ دار دیوار سے اندر گرنے لگیں۔ دو پہریدار حسبِ معمول دروازے تک چلتے آئے تو ان کے قدموں کی چاپ سن کر قیدی بیدار ہونے لگے۔ گدلے میلے جسموں اور کپڑوں والے بے حال مقید لوگ....کوئی اٹھ کھڑا ہوا' کوئی کونے میں کھسک گیا۔

ایسے میں اپنی جگہ پہ اکڑوں بیٹھا وان فاتح بار بار اس البینو کو دیکھ رہا تھا جو پہریداروں کی آمد کے ساتھ ہی غصے میں نظر آنے لگا تھا۔اس کے چہرے پہ کرب اور نفرت کے ملے جلے تاثر نمودار ہو گئے تھے جیسے وہ ایک خاموش احتجاجی لڑائی کے لئے تیار ہو۔ہر روز اس کا کھانا گرا دیا جاتا تھا اور اسے ذلیل کیا جاتا تھا۔شاید وہ کوئی معزز آدمی تھا جو ان کی قید میں آ پھنسا تھا اور وہ اپنے خودداری اور باعزت زندگی کو بھول نہیں پا رہا تھا۔

تالہ کھول کے دونوں پہریدار اندر داخل ہوئے'ایک ہنٹر لہرا رہا تھا اور دوسرے نے کھانے کا تھیلا اٹھا رکھا تھا۔باری باری کھانا بانٹتا وہ پہریدار آگے بڑھتا گیا' یہاں تک کہ وہ البینو کے پاس آ رکا۔دوسرے قیدی خاموشی سے انہیں دیکھنے لگے کہ چلو دیکھتے ہیں آج کیا ہوتا ہے۔

پہریدار نے تمسخر سے اسے دیکھتے تھیلے سے چاولوں کی گیند نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔پھر ابرو سے اشارہ کیا گویا کہہ رہا ہو

''لے لو۔''

فاتح تیزی سے اٹھا اور پہریدار کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

جہاں پہریدار چونکا' وہیں سارے میں خاموشی چھا گئی۔سب نے دم سادھ لئے۔

فاتح نے کھانا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔اپنی گہری آنکھیں وہ پہریدار کی آنکھوں میں ڈالے ہوئے تھا۔کوئی رعب تھا یا کیا' پہرےدار نے کھانا گرانے کی بجائے اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

فاتح نے اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر....گیند کو خود زمین پہ گرا دیا۔

بہت سے لوگوں کے منہ کھل گئے۔البینو خود دھک سے رہ گیا۔ہنٹر والے کا ہوا میں ہنٹر لہراتا ہاتھ ٹھہر گیا۔

پھر فاتح نیچے جھکا' گرد آلود گیند اٹھائی' اس کی گرد جھاڑی اور کھڑے ہوتے ہوئے البینو کی طرف مڑا۔

''اٹھو!'' جدید ملے میں کہتے ہوئے انگلی سے اشارہ کیا۔بھلے الفاظ البینو کو نہ سمجھ آئے ہوں' مگر اشارہ سب کو سمجھ میں آ رہا تھا۔

البینو بس اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے اٹھ گیا۔

''اسے کھاؤ! ابھی!'' سختی سے کہہ کے کھانا اس کے ہاتھ پہ رکھا۔''کسی دوسرے سے دشمنی میں اللہ کے رزق سے منہ نہیں موڑتے۔ہمارا جسم بھی ہمارے پاس اللہ کی امانت ہوتا ہے۔''

البینو نے میکانکی انداز میں کھانا لبوں کی طرف بڑھایا' تو فاتح نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔''ٹھہرو۔'' پھر مڑا اور ہنٹر والے کی طرف اشارہ کر کے تھیلے والے سے بولا۔

''یہ آئندہ....اس قید خانے میں....یہ ہنٹر لے کر....نہیں آئے گا۔اس سے کہو....یہ واپس جائے۔'' وہ چبا چبا کے کہتا ساتھ میں اشارہ بھی کر رہا تھا۔دو دفعہ پھر اس نے اپنی بات دہرائی۔

''یہ آدمی آج سے روز کھانا کھائے گا' ہر آدمی کھانا کھائے گا مگر یہ ہنٹر لے کر دوبارہ اندر نہیں آئے گا۔ٹھیک؟''اس کی آنکھیں پہریدار کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ پیچھے البینو لبوں کے قریب توشہ روکے ہوئے کھڑا تھا۔سارے قیدی دم سادھے اس طرف دیکھ رہے تھے۔

تھیلے والے نے اثبات میں سر ہلایا اور ہنٹر والے کو اشارہ کیا۔اس کے چہرے پہ غصہ اور مزاحمت در آئی۔اس نے احتجاجاً کچھ کہا مگر جواباً تھیلے والے نے اسے جھڑک دیا۔ہنٹر والے نے برہمی سے فاتح کو دیکھا' پھر زور سے ہنٹر زمین پہ مارا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

فاتح نے البینو کو اشارہ کیا۔وہ خاموشی سے بیٹھا اور کھانا کھانے لگا۔تھیلے والے پہریدار نے ایک گیند نکال کے فاتح کی طرف بڑھائی۔فاتح نے ایک نگاہِ غلط اس پہ ڈالتے ہوئے اسے تھام لیا۔

پہریدار اب خاموشی سے باقی قیدیوں کو ان کا کھانا دینے لگا' البتہ بار بار وہ مڑ کے فاتح بن رامزل کو دیکھتا ضرور تھا۔

☆......☆......☆

سنہری صبح ملاکہ کی اس پہاڑی پہ پھیل رہی تھی۔نیچے سمندر کی لہریں ٹھاٹھیں مارتی دکھائی دے رہی تھیں اور اوپر محل کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہوا سے لہرا رہے تھے۔ایسی ہی ایک کھڑکی سے اندر جھانکو تو سامنے مسہری پہ تالیہ مراد بیٹھی نظر آ رہی تھی۔

کسی بت کی طرح گردن کڑائے' کمر سیدھی رکھے' وہ سپاٹ چہرہ لئے ہوئے تھی۔دو کنیزیں اس کو تیار کر رہی تھیں۔اس نے سرخ کامدار لباس پہن رکھا تھا' جیسے لہنگا ہو اور اوپر لمبی قمیض۔کانوں میں قیمتی پتھر جڑے آویزے تھے۔ایک کنیز اس کے بالوں کا اونچا جوڑا بنا رہی تھی اور دوسری ناخن تراش رہی تھی۔شریفہ نامی کنیز ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔

''بابا کہاں ہیں؟'' دفعتاً تالیہ نے شریفہ سے سپاٹ انداز میں پوچھا۔

''راجہ مراد محل کے لئے روانہ ہونے والے ہیں۔'' (اس کا اشارہ سلطان کے محل کی طرف تھا جو یہاں سے چند کوس کے فاصلے پہ واقع تھا۔)

''مجھے ان سے ملنا ہے۔'' تالیہ نے ایک دم ہاتھ کھینچا اور بے چینی سے کھڑی ہوئی۔دوسری کنیز کے ہاتھ سے اس کے بال بھی نکل گئے۔

''میں ان کو خبر کر دیتی ہوں شہزادی۔وہ ملنا چاہتے ہوں گے تو روانگی کو موخر کر دیں گے۔آپ یہیں بیٹھیے۔'' شریفہ نے ادب سے کہا تو وہ ذرا سنبھلی۔پھر سرسری سا ''ہاں' خبر کر دو'' کہہ کے مصنوعی انداز میں گردن کڑائی اور واپس بیٹھ گئی۔شریفہ باہر نکل گئی اور دونوں کنیزیں اس کو تیار کرنے لگیں۔

''شہزادی آپ کے بالوں کا رنگ اتنا حسین کیسے ہے؟'' پیچھے کھڑی کنیز نے اس کے بال سنوارتے ہوئے حسرت سے پوچھا۔

''زیادہ سوال مت پوچھو۔اپنا کام کرو۔'' وہ رعب سے بولی تو کنیز خفیف سی ہو کے جلدی جلدی بال بنانے لگی۔

دوسری کنیز اٹھی اور پاؤڈر سے بھرا پیالہ لے آئی۔تالیہ نے اس میں جھانکا اور ناک چڑھائی۔

”یہ کیا ہے؟“

”یہ سنگھار ہے۔خالص ترین گندم کو پانی میں پندرہ دن تک رکھتے ہیں' پھر پیس کے' چھان کے' سکھا دیتے ہیں۔استعمال کرنے سے پہلے اسے عرقِ گلاب میں ملاتے ہیں۔چہرے کو خوب سفید کر دیتا ہے یہ۔“

(آہ۔فاؤنڈیشن۔) وہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔کنیز ان مہارت سے وہ اس کے چہرے پہ لگا رہی تھی۔پھر انجلیکا کے سرخ پتوں کے سفوف سے اس کے گالوں کو گلابی کیا۔اسکے بعد ڈبیا سے ایک پیسٹ انگلی پہ نکالا اور ہونٹوں پہ ملنے لگی۔وہ چربی اور ناز بو سے تیار کردہ لپ اسٹک تھی۔دوسری کنیز اس کا جوڑا بنا چکی تھی اور سامنے کو نکالی لٹوں کو اب گرم دہکتے لوہے کے راڈ پہ لپیٹ کے گھنگریالا کر رہی تھی۔

وہ چپ چاپ سارے کام اپنے اوپر ہوتے دیکھتی رہی۔دیوار پہ لگے آئینے میں اس کا سجا سنورا روپ بھلا معلوم ہو رہا تھا۔جنگل میں اتنے دن مٹی سے اَٹے چہرے سے پھرنے کے بعد اسے ہر شے قبول تھی۔

☆......☆......☆

راجہ مراد جس کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا وہ اس کا دربار تھا۔

تالیہ کے سامنے جب پہریداروں نے دروازے کھولے تو اس نے دیکھا' وہ مستطیل کمرہ ہے' اور سیدھ میں قالین بچھے ہیں۔دائیں بائیں کرسیاں قطار میں رکھی ہیں۔جب دربار لگتا تو وہاں درباری بیٹھتے تھے۔ابھی وہ خالی تھیں۔

قالین جہاں ختم ہوتا وہاں اونچا چبوترہ بنا تھا جس پہ راجہ مراد تخت پہ شان سے بیٹھا میز پہ رکھے کاغذات دیکھ رہا تھا۔سنہری اور سفید شاہی پوشاک پہنے' سر پہ سرخ ریشمی پٹی باندھے' اس کی نظریں کاغذوں پہ جھکی تھیں۔آہٹ پہ محض نظر اٹھا کے دیکھا تو سامنے سے سرخ سنہری لباس میں مسکراتی ہوئی تالیہ چلتی آ رہی تھی۔وہ اسے دیکھتا رہا' یہاں تک کہ وہ قریب آ گئی اور چبوترے کے زینوں کے ساتھ رکی۔

”بابا!“ مسکرا کے بولی۔”صبح بخیر۔“

راجہ مراد نے صرف سر کو خم دیا۔ہاتھ ہنوز روکے ہوئے تھا۔

”آپ کو محل کے لئے روانہ ہونا ہے' اس لئے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔میں اس چابی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔اگر آپ مجھے وہ چابی دوبارہ بنا دیں' تو میں اپنی دنیا میں واپس جا سکتی ہوں۔مجھے وہاں چند ایک کام نپٹانے ہیں' اس کے بعد میں واپس آ جاؤں گی' یہی میرا گھر ہے اور میں اپنے محل کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتی۔مجھے واپس آنا ہی ہے۔مگر چند دن کے لئے مجھے ادھر جانا ہوگا' سوا گر آپ....“ وہ ایسے پیار سے کہہ رہی تھی جیسے کسی بچے کو بہلایا پھسلایا جاتا ہے۔

”تم سیدھ میں نہیں چلتیں۔“ وہ سنجیدگی سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا تو تالیہ کے الفاظ ٹوٹ گئے۔

''جی؟''

''تمہاری چال درست نہیں ہے' تمہارا لہجہ خراب ہے' تمہارے آدھے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے' تم بہت تیز تیز گفتگو کرتی ہو۔تم نے بات کا آغاز کرنے سے پہلے سر جھکا کے مجھے سلام نہیں کہا۔تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محل میں آنے کے بعد تم مجھے 'بابا' نہیں 'بندا ہارا' کہو گی۔تمہیں ابھی تربیت کی ضرورت ہے۔''اس نے کا غذ رکھے' اور ایک شان سے اپنا چغہ سمیٹتے ہوئے اٹھا۔چبوترے پہ کھڑا وہ تالیہ کو بہت اونچا' بہت پر ہیبت لگا تھا۔

اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔

''چابی۔مجھے وہ چابی چاہیے ' بابا'۔''

''میرے پاس کوئی چابی نہیں ہے' تاشہ۔آج کے بعد میں اس کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا۔وہ سب پیچھے رہ گیا ہے۔''وہ چبوترے کے زینے اترا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا' پھر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پہ رکھے۔ایسی آہنی گرفت تھی وہ کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

''تمہاری دنیا یہ ہے' وہ نہیں۔وہاں تمہارے لئے کچھ نہیں تھا۔میں چاہتا ہوں تم اس دنیا کو بھلا کر یہیں رہو۔عیش وعشرت سے زندگی گزارو۔راج کرو۔دولت اور طاقت کا مزہ حاصل کرو۔میں کبھی بھی دوبارہ تمہارے منہ سے اس دنیا کا ذکر نہیں سننا چاہتا۔وہ باب اب بند ہو چکا' تاشہ!''اس کے الفاظ تھے کہ کوئی یخ بستہ ہوا جو تالیہ کی ہڈیوں میں گھس کے خون کو جما رہی تھی۔

وہ پھیکا سا مسکرائی اور سر کو اثبات میں خم دیا۔

''جیسے آپ کا حکم' بابا۔''مراد نے اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹائے اور آگے بڑھ گیا۔

حالم کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔ایک دم وہ مڑی۔

''مگر اُس دنیا کے محل زیادہ خوبصورت تھے آقا۔میں تو ایک دن میں ہی اس محل سے اکتا گئی ہوں۔کیا ہم اس کی تزئین و آرائش نہیں کر سکتے؟''

مراد کمر پہ ہاتھ باندھے باہر جا رہا تھا' اس بات پہ رکا اور واپس پلٹا۔

''یہ محل کافی خوبصورت ہے' تاشہ! اور محل تو کیا' ملاکہ بھی بہت خوبصورت ہے۔تمہاری دنیا سے زیادہ خوبصورت۔''پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔''تمہیں شاید اس بات پہ یقین نہیں ہے۔تم یوں کرو' اپنے شاہی عملے کے ساتھ شہر کا دورہ کر آؤ۔تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ ملاکہ اور تمہاری دنیا میں کیا فرق ہے۔''اور پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

(ہماری دنیا اور آپ کی دنیا بہت مختلف ہے' راجہ مراد!) وہ تندہی سے سوچ گئی۔ماتھے پہ بل پڑے تھے۔پہلا مرحلہ تو طے ہوا۔اسے

باہر جانا تھا مگر حالم ہمیشہ ایسے بات کرتا تھا کہ سامنے والے کو لگے' سارا آئیڈیا اسی کا تو تھا۔اب وہ با آسانی باہر جا سکتی تھی۔پلان اے۔

چابی مانگنے کی آخری کوشش بھی ناکام گئی تھی۔مگر خیر۔وہ صرف ایک کمزور سا پلان اے تھا۔اب اسے پلان سی پہ عمل کرنا تھا۔

☆......☆......☆

ملاکہ شہر کے بازار میں صبح سویرے ہی رونق لگ گئی تھی۔گاہکوں کا رش دکانوں پہ لگا تھا۔خوانچہ فروش صدا لگاتے اپنا سامان بیچ رہے تھے۔ایسے میں بازار کی اس گلی میں آؤ جہاں وہ احاطہ واقع تھا تو اس کے سامنے والی زیرِ تعمیر حویلی کے اندر باہر مزدور کام پہ لگے دکھائی دیتے تھے۔حویلی کی چاردیواری ایک جگہ سے چار ہاتھ اونچی تھی اور اس کے اوپر وان فاتح جھکا کھڑا تھا۔اس کے پاس ڈرائی ڈاور پتھروں کی بنی اینٹوں کا ڈھیر لگا تھا' اور وہ گارے سے لتھڑے ہاتھوں سے ان کو اٹھا اٹھا کے دیوار پہ جما رہا تھا۔سفید گدلی شرٹ مزید گدلی ہو چکی تھی۔ بانہوں پہ کل والی مٹی ہنوز جمی تھی اور ذرا ذرا سا گارا ماتھے اور گال پہ بھی لگا تھا جس سے وہ بے نیاز' بے خبر نظر آتا تھا۔

''سر!'' ایڈم نے قریب آ کے پکارا تو وہ چونک کے پلٹا۔ایڈم کے سر پہ ہیٹ تھا اور ہاتھ معزز افراد کی طرح کمر پہ باندھ رکھے تھے۔لباس کل والا تھا۔فاتح نے فوراً پہریداروں کی طرف دیکھا' اور پھر قریب کھڑے البینو کو اشارہ کیا۔البینو نے سر ہلایا اور آس پاس کھڑے تین چار قیدیوں کو نگاہوں کی زبان میں کچھ کہا۔چند ہی لمحوں میں تمام مزدور اپنی اپنی جگہ سے آگے پیچھے ہٹ گئے' اور انہوں نے کچھ اس طرح سے اپنی ترتیب جوڑی کہ دور کھڑے پہریداروں کے راستے میں حائل ہو گئے۔فاتح اور ایڈم ان کی نظر سے چھپ گئے۔

''لگتا ہے آپ نے کچھ نئے دوست بنا لئے ہیں' سر!'' ایڈم متعجب ہوا۔جس ریڑھی کی اوٹ میں وہ کھڑا تھا' اس کو بھی بھول گیا کیونکہ اب کوئی پہریدار اس طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔''کل تک تو یہ آپ کے دوست نہیں تھے۔''

فاتح نے مسکرا کے گارے میں لتھڑی اینٹ اٹھائی اور دیوار پہ جمائی۔

''کل تک وہ مجھے کوئی جنگجو سمجھ رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ میں ان کے لیے پہریداروں سے لڑائی کر لوں۔''

''تو کیا آپ جنگجو نہیں ہیں' سر؟''

''ہر ایک کا لڑنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔میں سیاست دان ہوں۔میں مفاہمت' بات چیت اور تدبیر سے درمیانی راہ نکالنے پہ یقین رکھتا ہوں' جس میں دونوں فریقین کو ان کی مرضی کی شے مل جائے۔خیر۔'' اس نے سر جھٹکا۔پھر احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔''تم بتاؤ' کیا تم الور سونگائی جا رہے ہو تالیہ کے بابا کو ڈھونڈنے؟''

''نہیں۔چے تالیہ نے مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے یہیں ملیں گی۔ابھی کچھ دیر میں۔'' ایڈم نے ہیٹ ذرا اوپر سرکایا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا یہاں آنا خطرناک ہے۔تم دونوں کو چاہیے کہ فوراً یہاں سے نکلو'' وہ واقعی جھنجھلایا۔

''سر.... وہ....'' ایڈم نے بار بار لب کھولے' پھر بند کر دیے۔فاتح گارے سے لتھڑے ہاتھ کمر پہ رکھے' ناخوشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم وقت ضائع کر رہے ہو۔''

''سر.... شہزادی تاشہ دراصل (تھوک نگلا) چے تالیہ ہی ہیں۔''

فاتح نے اچھنبے سے دونوں ابرو اٹھائے۔ ''واقعی؟ اور یہ تمہیں تالیہ نے خود بتایا ہے؟''

''جی۔ وہ سچ کہہ رہی ہیں۔ بنداہارا ان کے باپا ہی ہیں۔ راجہ مراد۔ اور وہ اب محل کی مکین ہیں۔''

''اچھا اور تم نے اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھا ہے؟ اس کا محل' اس کا باپ؟''

ایڈم نے بے اختیار گردن کی پشت کھجائی۔ ''نہیں' مگر انہوں نے کہا تھا کہ شہزادی تاشہ وہ خود ہی ہیں.... وہ شہزادی تاشہ جن کے قصے ہم کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں۔ وہ تمام قصے ابھی پیش نہیں آئے۔ وہ اب پیش آنے ہیں۔ اور اب وہ تاریخ کا حصہ بنیں گے۔''

''او کے!'' وہ قدرے برہمی سے مڑا اور زور زور سے اینٹیں اٹھا کے دیوار پہ جمانے لگا۔ ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''سر.... اگر وہ واقعی شہزادی ہیں تو وہ بے پناہ اختیارات کی مالک ہوں گی' اور یوں....''

فاتح تیورا کے اس کی طرف گھوما اور افسوس سے اسے دیکھا۔

''تمہیں واقعی اس کے اس افسانے پہ یقین ہے؟''

ایڈم نے جواب نہیں دیا۔ وہ فاتح کے کندھے سے پیچھے کچھ دیکھ رہا تھا۔ لب آدھے کھل گئے تھے۔ بازار میں شور سا مچا تھا۔ منادی کرنے والے نے اعلان کیا۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ سپاہیوں نے بگل بجائے۔ بازار میں بکھرے لوگوں نے سمت کے دونوں اطراف میں قطاریں بنالیں۔ سر ادب سے جھکا لئے۔ راستہ صاف ہو گیا۔

فاتح بن رامزل کسی خواب کی سی کیفیت میں گھوما۔

سامنے سڑک صاف تھی اور اس پہ شاہی سپاہی چمکتی تلواریں لئے چلتے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے سنہری اور چاندی رنگ کی بگھی تھی جس کی چھت کھلی تھی۔ ایسے کہ بگھی میں بیٹھی 'شاہزادی' صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وقت کا جادو تھا.... یا تاشہ پسونا کا سحر.... وہ بالکل مبہوت رہ گیا.....

سرخ زرتار لباس پہنے.... بالوں کا جوڑا بنائے.... بالوں پہ ہیروں کا تاج سجائے.... بڑی شان سے کہنیاں اطراف میں جمائے' وہ مسکراتی ہوئی قطار میں ہاتھ باندھے کھڑے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ سرخ لباس بگھی کی سیٹ پہ پھول کی طرح پھیلا تھا۔ منادی کرنے والا اس کے بارے میں لوگوں کو آگاہی دے رہا تھا اور لوگ اشتیاق سے گردنیں اٹھا اٹھا کے' ایڑھیاں اونچی کر کے بنداہارا کی سندر بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔

اور وان فاتح بالکل ساکت ہوئے کے ایل کے اس بہروپیے کو دیکھ رہا تھا جس کو ہر طرح کا بھیس بدلنا آتا تھا۔ وہ پلک تک نہیں

جھپک پا رہا تھا۔اس کی نگاہوں میں حیرت سے زیادہ بے یقینی اور تعجب تھا۔

شہزادی تاشہ نے ہاتھ اٹھا کے اشارہ کیا تو بگھی بان نے بگھی روک دی۔کسی نے لپک کے دروازہ کھولا۔کسی نے نیچے پائیدان رکھا۔وہ اسی شان سے زینے اترتی نیچے آئی۔

لوگ مزید پیچھے ہٹنے لگے۔تالیہ ٹہلنے والے انداز میں دکانوں کے سامنے سے گزرنے لگی۔پھر ایک دکان کے چھپر کے قریب رکی۔ادھر میز پہ بہت سے سرخ سیبوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔تالیہ نے سیبوں میں ہاتھ ڈالا....چند سیب ادھر ادھر ہٹائے اور جب ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک موٹی سی سنڈی تھی۔

''کیا تم سنڈیوں اور کیڑوں والے سیب لوگوں کو کھلا رہے ہو؟'' سنڈی لہرا کے اس نے دکاندار کو دکھائی اور پھر غصے سے نیچے پٹخی۔دکاندار کا منہ کھل گیا۔ہجوم میں کئی لوگوں نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''گرفتار کر لو اس دکاندار کو۔اس کو اپنی لاپرواہی کی سزا ملنی چاہیے۔'' شہزادی تحکم سے بولی تو سپاہیوں نے جھٹ سے دکاندار کو پکڑا اور اسے گھسیٹتے ہوئے آگے لے گئے۔وہ بے چارا چیختا چلاتا رہا مگر اس کو کوئی نہیں سن رہا تھا۔

لوگ مزید پیچھے کھسکنے لگے۔بازار میں ایک خوف کی فضا قائم ہو رہی تھی۔

اور وان فاتح....وہ بالکل خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

شہزادی اب سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ایک ادا سے وہ اپنا انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ ریڑھیوں کے کناروں پہ پھیرتی جا رہی تھی۔دفعتاً وہ ٹھہری۔دائیں جانب ایک ریڑھی پہ کپڑوں کے تھان رکھے تھے۔ریڑھی والے نے اسے اپنے پاس رکتے دیکھ کے ہی دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔تالیہ نے دو انگلیوں میں مسل کے کپڑے کو دیکھا۔

''کیا یہ تم چین سے لائے ہو؟''

ریڑھی بان نے جھٹ سر اثبات میں ہلایا۔''جی!''

''اسے بھی پوچھ گچھ کے لئے محل لے جاؤ۔میں جاننا چاہتی ہوں یہ دوسرے ملک سے مال برآمد کرنے پہ محصول (ٹیکس) بھی دیتا ہے یا نہیں۔'' شہزادی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا تو ریڑھی بان نے گھبرا کے سپاہیوں کو دیکھا۔وہ بنا کسی تامل کے اس پہ جھپٹے اور اسے کھینچ کے لے گئے۔

''چے تالیہ ویسے شہزادی کے روپ میں اتنی بری نہیں لگ رہیں۔'' ایڈم نے قدرے جوش سے فاتح کے قریب سرگوشی کی۔(رش کے باعث سب اکٹھے کھڑے ہو گئے تھے....ایڈم کا اس کے ساتھ کھڑے ہونا کسی کو قابلِ توجہ نہیں لگا تھا۔)

''یہ معصوم لوگوں کو کیوں گرفتار کر رہی ہے؟'' وہ دور سے آتی شہزادی کو دیکھ کے ذرا الجھن سے بولا۔

''یقیناً یہ لوگ معصوم نہیں ہوں گے۔ بے شک چے تالیہ چور ہیں' فراڈ ہیں' مگر اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ کسی اچھے اور نیک انسان کو کبھی گرفتار نہیں کروائیں گی۔'' ایڈم نے خلوص سے کہتے ہوئے اسے تسلی دی۔ وہ ہیٹ ذرا اٹھا کے تالیہ کو دیکھتا فخر سے مسکرا رہا تھا۔ اس سے سارے گلے شکوے اس کو اس پراعتماد روپ میں دیکھ کر ختم ہونے لگے تھے۔

''اس ہیٹ والے آدمی کو بھی گرفتار کر لو۔ یہ گستاخ میری طرف دیکھ کے تمسخرانہ اشارے کر رہا ہے۔'' شہزادی نے تندہی سے ایڈم کو دیکھتے ہوئے دور سے اس کی طرف اشارہ کیا تو سپاہی اس جانب لپکے۔ دوسرے لوگوں نے جلدی جلدی راستہ چھوڑا۔

ایڈم بن محمد کا منہ کھل گیا۔ بے اختیار وہ پیچھے ہٹا۔

''مم.... میں نے کیا کیا ہے؟ چے تا.... شہزادی تاشہ.... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ چھوڑو مجھے.... ارے چھوڑو مجھے۔'' مگر اس کی چیخ و پکار کا سپاہیوں پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسے دبوچ کے آگے لے گئے۔ ایڈم ان کی گرفت میں مسلسل پھڑ پھڑاتے ہوئے چلا رہا تھا۔ ششدر' حیران' پریشان۔

تالیہ نے گردن اٹھا کے اوپر دمکتے سورج کو دیکھا اور پھر نزاکت سے اپنی پیشانی چھوئی جس پہ پسینے کی نادیدہ بوندیں موجود تھیں۔

''میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ واپس چلو۔'' غلام کو اسی بے نیازی سے حکم دیا اور بگھی کی طرف مڑی۔ مڑتے مڑتے ایک لمحے کو اس نے فاتح کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہزادی کو متوجہ پا کر ایک ابرو اٹھائی اور لب بے آواز ہلائے۔ ''سیریئسلی؟''

ملاکہ کی شہزادی نے دور کھڑے اس بدحال 'غلام' پہ نظریں جمائے ادب سے پلکیں جھپکا کے اٹھائیں اور ہونٹوں کو جنبش دی۔

''توانکو' (میرے آقا) اور دونوں پہلوؤں سے کامدار لباس اٹھائے بگھی پہ سوار ہو گئی۔

لوگ پھر سے اطراف میں سمٹ کے شاہی قافلے کو راستہ دینے لگے۔

وہ اسی طرح خاموشی سے دور جاتی بگھی کو دیکھے گیا۔

(''وہ اتنی پیاری تھی ڈیڈ کہ وہ کسی پریوں کی وادی سے آئی ہوئی لگتی تھی۔''

''میرا خیال ہے وہ کوئی فراڈ تھی جو کسی دوسرے کی جگہ ناجائز طریقے سے ہتھیانے جا رہی تھی۔''

''ہر کوئی آپ کے ان سیاستدانوں جیسا نہیں ہوتا' ڈیڈ۔''

''میں سچ بولوں بیٹا تو تمہیں برا لگتا ہے۔ مگر وہ کوئی پری نہیں تھی۔''

''پھر وہ شہزادی تھی۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔'')

اور اب بھی ننھی آریانہ اس کے کان میں سرگوشی کر رہی تھی۔

''وہ شہزادی ہے' ڈیڈ۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔''

☆......☆......☆

تالیہ محل کے اندر سبزہ زار پہ آ کے بگھی سے اتری تو دیکھا...سبزے کے اختتام پہ جہاں سے محل شروع ہوتا تھا' وہاں بیرونی زینے بنے تھے۔ان کے قدموں میں مسلح سپاہیوں کا ہجوم لگا کھڑا تھا۔ وہ لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' تیز تیز چلتی سامنے آئی تو سپاہیوں نے راستہ چھوڑا۔

زمین پہ ایک پھٹے پرانے لباس والا بدحال آدمی رسیوں سے بندھا' سجدے کی حالت میں پڑا تھا۔اس کے بال لمبے اور سفیدی مائل تھے۔چہرے اور بازوؤں پہ تشدد کے صاف نشانات نظر آتے تھے۔

دائیں جانب ایک جلاد کھڑا تھا جس کا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا تھا اور ہاتھ میں تیز دھار چمکتی ہوئی ننگی تلوار تھی۔وہ بار بار اوپر محل کے داخلی دروازے کی طرف دیکھتا جہاں دروازے بند تھے۔گویا وہ سب کسی کے منتظر تھے۔

''کون ہے یہ آدمی؟اس کو کیوں مارا جا رہا ہے؟'' وہ بے یقینی اور اضطراب سے ان سب کو دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

اندر اپنے کمرے میں بند اہارا مراد راجہ کھڑا تھا۔اس کے سامنے کنیز شریفہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔مراد کمر پہ ایک ہاتھ رکھے' سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کیا تم میری بیٹی پہ نظر رکھ رہی ہو؟''

''جی راجہ۔''اس نے سر کو گہرا خم دے کر نظریں اٹھائیں۔''شہزادی کی ہر حرکت پہ میری نظر ہے اور میں اس کی خبر آپ کو دیتی رہوں گی۔ابھی ابھی شہزادی بازار سے واپس آئی ہیں۔میں قافلے سے آگے تھی اس لیے جلدی پہنچ گئی۔بازار میں....'' وہ تذبذب سے رکی۔

''بازار میں کیا؟'' وہ سپاٹ سا بولا۔

''شہزادی کافی نازک طبع واقع ہوئی ہیں۔انہوں نے کھڑے کھڑے معمولی باتوں پہ تین راگیروں اور دکانداروں کو گرفتار کر کے شاہی قید خانے میں ڈلوا دیا ہے۔''

''کیسی باتوں پہ؟''اس نے سوچتے ہوئے ابرو اٹھائی۔

''میں وہیں موجود تھی۔کوئی خاص بات نہ تھی۔کسی کو محصول نہ دینے' کسی کو صفائی کا خیال نہ رکھنے پہ گرفتار کیا ہے اور ایک کو تو صرف اس بات پہ کہ اس نے شہزادی کی طرف دیکھ کے اشارہ کیا ہے۔شہزادی شاید صرف ان لوگوں کو اذیت دینا چاہتی تھیں۔''

''اونہوں۔وہ مجھے تنگ کرنا چاہتی ہے تاکہ میں اسے واپس بھیج دوں۔'' وہ سوچ میں ڈوبا بولا۔شریفہ چونکی۔

''واپس کہاں؟ چین؟''

مراد نے چونک کے اسے دیکھا' اور سر جھٹکا۔''ہاں۔چین۔اب تم جاؤ اور اس پہ نظر رکھو۔اس کی ایک ایک حرکت کی خبر مجھے ہونی چاہیے۔''

''راجہ...'' وہ ڈرتے ڈرتے نظریں جھکائے بولی۔ ''شہزادی آپ کی صاحبزادی ہیں۔کیا آپ کو ان سے .... کسی قسم کا کوئی .... خطرہ ہے؟ یا کوئی....؟'' اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کے تھوک نگلا۔

مراد راجہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔شریفہ کا دل زور سے دھڑکا۔سر مزید جھکا لی۔

''نیچے دالان میں ایک آدمی جلاد کے ہاتھوں اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے۔جانتی ہو اس کا جرم کیا تھا؟''

شریفہ نے نظریں مزید نیچے کر لیں اور کپکپاتی آواز میں بولی۔''کیا؟''

''وہ میرے ہر کام کی ٹوہ رکھتا تھا۔''

''مجھے معاف کر دیجیے راجہ۔'' وہ ایک دم جھکی اور راجہ مراد کے جوتوں پہ دونوں ہاتھ رکھ دیے۔''میری جان لے لیجیے۔آئندہ آپ میرے لبوں سے کوئی سوال نہیں سنیں گے۔''

مراد نے کوفت سے پیر ہٹایا اور آگے بڑھ گیا۔

جب وہ محل سے نکلا اور بیرونی زینے اترنے لگا تو اس کی شاہی پوشاک زمین کو چھو رہی تھی اور بازو کمر پہ بندھے تھے۔

نیچے جلاد کے قریب تالیہ کھڑی تھی۔

''بابا...'' اسے دیکھتے ہی بے چینی سے زینے چڑھتی اوپر آئی۔''یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ آدمی پرانے بنداہارا کا تائی ژیان (غلام) ہے۔کیا آپ اس کو اس لئے سزا دے رہے ہیں کیونکہ....'' آواز دھیمی کی۔''کیونکہ یہ آپ کے مخالف کا آدمی تھا؟ یا واقعی اس نے کوئی ناقابلِ تلافی جرم بھی کیا ہے؟''

تالیہ اس سے تین زینے نیچے کھڑی تھی۔اس لیے راجہ کو دیکھنے کے لیے گردن پوری اٹھائے ہوئے تھی۔

''اور اگر اس نے کوئی جرم نہیں کیا سوائے جنگی جرائم کے تو آپ اس کو معزول کر کے جلاوطن کر دیں۔یہ آپ کی سلطنت میں کبھی دوبارہ داخل نہیں ہو سکے گا۔لیکن کیا اس کو مارنا ضروری ہے؟''

راجہ مراد نے اپنا ہاتھ کمر کے پیچھے سے نکالا اور ہتھیلی پھیلائی۔تالیہ نے نازک انگوٹھیوں سے مزین اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔

وہ اس کا ہاتھ تھامے نیچے اترنے لگا۔

سیڑھیوں کے قدموں میں کھڑے سپاہی منتظر سے راجہ کو دیکھ رہے تھے۔وہ دونوں نیچے اتر آئے تو راجہ اس کو ساتھ لئے آگے چلا گیا۔سپاہی پیچھے رہ گئے۔وہ دونوں گھاس کنارے بنی پتھریلی روش پہ آگے بڑھتے گئے۔

دفعتاً راجہ ٹھہرا اور پورا اس کی طرف گھوما۔تالیہ کا ہاتھ ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔

''تاشہ...'' وہ نظریں اس پہ جمائے نرمی سے پوچھنے لگا۔''تم اپنی اس دنیا میں سب سے زیادہ کس چیز کے پیچھے بھاگی تھیں؟''

''دولت کے!'' وہ بنا پلک جھپکے اس کی گہری آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

''اور کیا تم اس دولت کو حاصل کر پائی؟''

اس کی نگاہوں کے سامنے حالم کا بنگلہ، قیمتی لباس اور زیور گھوم گئے تو اس نے سر ہلا دیا۔

''کسی حد تک۔ جی ہاں۔''

''اور کیا تم وہ ساری دولت دنیا کو دکھا پائی یا تم نے اس کا ایک بڑا حصہ چھپا دیا؟ صندوقوں میں؟ زمین میں؟ دور دراز جزیروں پہ؟ جیسے ہماری دنیا میں چھپایا جاتا ہے۔''

مراد نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔ بنا پلک جھپکے اب وہ تالیہ کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سرد تھے مگر تالیہ کے گرم تھے۔

''جی۔ چھپا دیا تھا۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ (حالم کے مکان کے تہہ خانے میں چھپائی گئی پینٹنگز' اور نوادرات۔ بینکوں میں رکھا گیا پیسہ۔ اسے سب یاد آ گیا۔) ''میں نے تقریباً سب کچھ ہی چھپا دیا۔''

''کیونکہ دولت چھپانے سے محفوظ رہتی ہے مگر طاقت دکھانے سے بڑھتی ہے۔ تم دولت کی تمنا کرتی ہو۔ میں طاقت کی کرتا ہوں۔ تبھی تو دولت چھوڑ کے الور سونگائی جا بسا تھا۔ کیونکہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتیں۔ جب دولت ملے تو صرف دولت ملتی ہے۔ مگر جب طاقت ملے تو دولت خود بخود کھنچی چلی آتی ہے۔ اس لئے طاقت چھپا کے نہیں رکھی جاتی۔ اس کو دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ آدمی....'' تالیہ کی آنکھوں پہ نظریں جمائے ابرو سے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ایک آدمی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک 'قربانی' ہے۔ اس کی موت ظلم نہیں ہے' بلکہ ایک پیغام ہے۔ جب نیا حکمران کسی علاقے پہ آتا ہے تو وہ ایک بستی کو تباہ ضرور کرتا ہے تاکہ ساری سلطنت میں ایک پیغام چلا جائے کہ حکمران.... بدل چکا ہے۔ اور وہ کسی کو رعایت نہیں دے گا۔ مجھے افسوس ہے اس تائی ژیان کے لئے مگر اس کو چھوڑ دینے سے میں دنیا کو کیا پیغام دوں گا؟ کہ راجہ مراد ایک پھانسی چڑھے بندا ہارا کے خاص غلام کو مار تک نہیں سکا؟ کیا راجہ مراد اتنا کمزور نکلا؟ چڑیا کے دل جیسا کمزور؟'' وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں میں تالیہ کے ہاتھ مقید تھے اور وہ یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ سارے الفاظ ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''طاقت دولت کی طرح چھپانے والی چیز نہیں ہے۔ یہ مظاہرے سے بڑھتی ہے۔ مضبوط ہوتی ہے۔ اور یہ آدمی صرف ایک پیغام ہے۔ کہ اس ملک پہ حکمرانی کرنے والا چہرہ بدل چکا ہے۔ دھاک بٹھانے کے لئے ایسے پیغام دینے پڑتے ہیں۔''

اس نے تالیہ کا ایک ہاتھ چھوڑ دیا' اور دوسرے سے تھامے واپس قدم بڑھا دیے۔ وہ بالکل گم صم سی اس کے ساتھ چلی آئی۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اس قیدی کے قریب آ رکے۔

سجدے میں جھکے' رسیوں سے بندھے قیدی نے اپنا چہرہ اٹھایا اور آنکھیں چندھیا کے راجہ مراد کو دیکھا۔

''ایک دن یہ وقت تم پہ بھی آئے گا' مرادراجہ....ڈرو اس وقت سے....'' وہ غم و غصے سے اونچی آواز میں بولا تھا۔

راجہ مراد نے کمر پہ دونوں ہاتھ باندھ لئے اور گردن جھکا کے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

''تمہاری کوئی آخری خواہش؟''

قیدی نے گہری سانس لی اور قدرے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ پھر گردن کڑائی اور ذرا ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

''میری آخری خواہش یہ ہے کہ میرے دونوں بیٹوں اور میری بیوی کو....''

راجہ مراد نے ایک دم قریبی سپاہی کے نیام سے تلوار کھینچی اور ایک ہی وار میں قیدی کی گردن پہ پھیر دی۔

اس کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ گردن سے لکیر کی صورت خون نکلا۔ ساتھ ہی چہرے پہ شاک اور خوف ابھرا۔ پھر لبوں سے خون باہر کو چھلکا۔

گردن سے چند چھینٹے تالیہ کے چہرے پہ گرے۔ اس کی آنکھیں مارے شاک کے پوری کھل گئیں۔ وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

اگلے لمحے....قیدی بیٹھے بیٹھے منہ کے بل زمین پہ گر گیا۔

خاک کا جسم خاک میں جاملا۔

مرادراجہ نے استعجاب سے ابرو اچکا کے اپنے پیروں میں گٹھڑی صورت پڑی نعش کو دیکھا۔

''کیا اسے واقعی لگا تھا کہ مجھے اس کی آخری خواہش سننے میں دلچسپی ہے؟''

پھر اس نے اپنے لباس سے رومال کھینچ اتارا اور تلوار پہ شروع سے آخر تک پھیرا۔ رومال نے خون صاف کر دیا۔ تلوار کی چمک لوٹ آئی۔ اس نے تلوار سپاہی کی طرف اچھال دی۔

''اس کی گردن اتار کے چوک میں لٹکا دو اور لوگوں میں منادی کرادو کہ سلطان مرسل شاہ کے بندا ہارا کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' کہہ کے وہ مڑا۔ ہاتھ پیچھے باندھ لئے اور زینے چڑھنے لگا۔

تالیہ ابھی تک ہکا بکا کھڑی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور گالوں پہ خون کے چھینٹے نظر آ رہے تھے۔

☆......☆......☆

ملاکہ کے بازار پہ سہہ پہر ڈھل رہی تھی۔ مزدور ابھی تک زیرِ تعمیر حویلی پہ کام میں مصروف تھے۔ بھوکے پیاسے' تھکے ہارے' وہ نڈھال سے ایک ایک شے اٹھا کے مطلوبہ جگہوں پہ فراہم کر رہے تھے۔ فاتح ایک ریڑھی پہ لکڑیاں لادے' زنجیروں کے باعث بدقت اس کو دھکیلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی کا پسینہ بھی پونچھتا۔ پھر دانت پہ دانت جمائے ضبط سے اسے آگے دھکیلنے لگتا۔

دفعتاً کسی نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو وہ ذرا چونک کے گھوما۔

سامنے دو پہریدار کھڑے تھے۔ ایک وہی تھا جو صبح کھانا دینے آتا تھا۔ دوسرا کوئی اور تھا۔

''کیا؟'' اس نے کندھے اچکا کے پوچھا۔

جواب میں پہریدار دونوں ہاتھوں کے اشارے سے اسے کچھ سمجھانے لگا۔ فاتح نے آنکھیں چندھیا کے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ آؤں؟'' اشارے سے تصدیق چاہی۔ پہریدار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اچھا۔ چلو۔'' فاتح نے گردن کو جنبش دی اور ریڑھی کو ذرا دھکیل کے ایک طرف کھڑا کرنے لگا۔ ایسا کرتے ہوئے اس نے ریڑھی پہ رکھی لکڑیوں میں سے ایک نوکیلا تیز لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کے مٹھی میں دبا لیا اور پھر ان کے ہمراہ چلنے لگا۔

وہ دونوں اسے واپس احاطے میں لے آئے۔ اس نے سختی سے نوکیلا ٹکڑا مٹھی میں بھینچ رکھا تھا۔ جسم کا رواں رواں الرٹ تھا۔ ابھی کسی نے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ اس کو ان کے اندر اتارنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

احاطے کا اندرونی دروازہ کھول کے وہ ایک راہداری میں آگے بڑھتے گئے۔ وان فاتح کے اعصاب تن رہے تھے۔ وہ غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔ مگر رکا نہیں۔ ان کے ساتھ چلتا گیا۔ ایک کے بعد دوسری راہداری۔ یہ حویلی کا اندرونی حصہ تھا اور کافی خوبصورت تھا۔ دیواروں میں بنے خانوں میں چینی کے خوبصورت برتن سجے تھے۔ چھت سے جلتے ہوئے فانوس لٹک رہے تھے۔ وہ اطراف کا سرسری جائزہ لیتا آگے بڑھتا گیا۔

وہ اسے ایک بڑے کمرے میں لے آئے۔ مستطیل کمرہ جو بہت وسیع تھا۔ وہ استعجاب سے گردن گھما گھما کے دیکھنے لگا۔ مٹھی میں بھینچے لکڑی کے ٹکڑے پہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

وہاں لکڑی کی اونچی لمبی میزیں بچھی تھیں۔ چولہے بنے تھے۔ ٹوکریوں میں سبزیاں رکھی تھیں۔ پکوان چڑھے تھے۔ اشتہا انگیز خوشبو۔ دھواں۔

یہ یقیناً اس حویلی کا باورچی خانہ تھا۔

''یہ ساتھ والا کمرہ تمہارا ہے۔ اور یہ لباس تم آج سے پہن کے کام کرو گے۔'' پہریدار نے ایک تہہ شدہ لباس اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونکا۔

لکڑی کا ٹکڑا آہستہ سے پہلو میں گرا دیا۔ اور پھر احتیاط سے لباس تھام لیا۔ باورچی خانے میں موجود تمام لوگ اس طرح کے سرمئی لباس میں ملبوس تھے۔ پاجامہ اور ڈھیلی سی لمبی قمیص۔ وہ سب ہاتھ روک کے اس کو دیکھنے لگے۔

ایک سفید بالوں والا آدمی قریب آیا اور اپنی زبان میں پہریدار سے کچھ پوچھا۔ پہریدار نے جواباً کچھ بتایا اور پھر فاتح کی کلائیوں

کی زنجیر چابی سے کھولنے لگا۔ پھر اس نے اس کے پیر آزاد کیے۔ ان کا کام ختم ہوا۔ وہ فاتح کو اس بوڑھے کے حوالے کر کے چلے گئے۔

بوڑھا اسے اپنے ساتھ ایک اور کمرے میں لے آیا جہاں حمام تھا۔

بھاپ اڑاتا پانی۔ صاف کپڑے۔ صندل کی خوشبو لئے ٹکیاں۔

کچھ دیر بعد وہ دوبارہ باورچی خانے میں داخل ہوا تو اس کے گیلے بال پیچھے کو سمٹ چکے تھے اور سرمئی پاجامے قمیص میں وہ تروتازہ اور نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ بوڑھے نے فوراً ایک پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے اسے تھام لیا تو دیکھا' اندر سوپ تھا جس میں گوشت کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ اس نے بے اختیار دوسرے کارکنوں کو دیکھا جو اب چوکیوں پہ بیٹھے اپنا کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے پیالے اس سے چھوٹے تھے اور ان میں جھلکتا سوپ پتلا تھا اور کم بھی۔

بوڑھے نے اشارہ کیا تو وہ ایک لکڑی کے اسٹول پہ بیٹھا اور پیالہ لبوں سے لگایا۔ لذیذ سوپ اندر تک اتر کے جسم میں توانائی بھرتا گیا۔ گھونٹ بھر کے فاتح نے یونہی کھڑکی کو دیکھا تو عقبی طرف باغیچہ سا نظر آ رہا تھا جس میں دنبے اور بکرے بندھے کھڑے تھے۔ قطار میں بندھے پہلے بکرے کو ایک آدمی جھک کے گھاس کھلا رہا تھا۔

ہری ہری ڈھیر ساری گھاس.... اس آدمی کی پشت فاتح کی طرف تھی۔ بکرا نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس کی پشت پہ ایک تیز دھار ٹوکا بندھا تھا۔ ایسا ٹوکا جس سے بکرے کو با آسانی ذبح کیا جا سکتا تھا۔ وان فاتح نے ایک نظر اس کے آگے ڈالے گئے گھاس پہ ڈالی اور دوسری اپنے پیالے میں تیرتے ابلے گوشت کے ٹکڑوں کو۔

اس کا دل ایک دم کھانے سے بیزار ہونے لگا۔ وہ بے دلی سے پیالہ واپس رکھ دینا چاہتا تھا مگر.... کسی بھی وجہ سے رزق سے منہ نہیں موڑتے۔ رزق اللہ بھیجتا ہے۔ وہ جبراً سوپ پینے لگا۔

☆......☆......☆

محل کے گنبد دھوپ میں پگھل پگھل رہے تھے۔ کھلی کھڑکیوں کے باعث اندر بھی سارے میں روشنی پھیلی تھی مگر تہہ خانے میں جاتی گول گول سیڑھیوں سے نیچے جاؤ تو وہاں بنی جیل اندھیر پڑی تھی۔ دیوار پہ مشعلیں روشن تھیں جن سے اتنا نظر آتا تھا کہ بڑے سے کمرے میں دو اطراف میں کوٹھڑیاں بنی ہیں جن کے سلاخ دار دروازے ہیں اور درمیان میں گزرنے کا راستہ ہے۔

ایسی ہی ایک کوٹھڑی میں بیڑیوں میں بندھا ایڈم موجود تھا۔ زمین پہ اکڑوں بیٹھے' ہاتھوں میں سر گرائے' وہ حیران پریشان سا لگ رہا تھا۔ بار بار پیشانی پہ بل آتے' کبھی آنکھوں میں غصہ در آتا' اور کبھی مضطرب ہو جاتا۔ سارا دن گزر گیا' نہ کچھ کھانے کو ملا نہ کوئی حال پوچھنے آیا۔ باقی دونوں قیدی جو اس کے ساتھ کوٹھڑی میں بند تھے مسلسل آہ و بکا کر رہے تھے۔ اور بار بار اپنا قصور تو وہ بھی پوچھے جا رہا تھا مگر پہریداروں کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگتی تھی۔

اوپر محل کی بارہ دریوں سے گزر کے شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں آؤ تو کھڑکیوں کے ریشمی پردے ہٹے ہوئے تھے اور ڈھلتے سورج کی دم توڑتی روشنی اندر جھانک رہی تھی۔

تالیہ اسی زرتار لباس میں ملبوس' بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ کنیز شریفہ ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔ نظریں دائیں سے بائیں گھماتی وہ تالیہ کو ٹہلتے دیکھ رہی تھی۔

''آپ پریشان ہیں' شہزادی!''

''صرف پریشان؟'' وہ رکی اور بگڑ کے اسے دیکھا۔ ''میں بہت زیادہ پریشان ہوں شریفہ۔ میرے سامنے میرے بابا نے ایک شخص کی گردن ماردی۔ (اس نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا جسے وہ کتنی ہی دفعہ دھو چکی تھی) مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے اور مجھے دیکھو... میں بھرے بازار سے تین دکانداروں کو گرفتار کروالائی' اور اب مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ ان کے ساتھ کیا کروں۔'' وہ قریباً روہانسی ہوگئی تھی۔

''شہزادی۔ جب بھی کوئی قیدی گرفتار ہو کے آتا ہے تو بنداہارا اس کو سزا سنا دیتے ہیں۔ یا اگر ان کے مزاج اچھے ہوں تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔'' شریفہ محل میں عرصے سے کام کر رہی تھی۔ پانچ دن پہلے آنے والے نئے بنداہارا سے عہدِ وفا کرنے سے پہلے وہ پچھلے بنداہارا کی کنیز بھی رہی تھی۔ ''آپ ان کو معاف کرسکتی ہیں' یا سزا سنا سکتی ہیں۔''

''معاف کرنے سے تو میں کمزور لگوں گی۔ ہرگز نہیں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ پھر پلنگ کے کنارے پہ بیٹھی اور دونوں ہتھیلیوں سے دائیں بائیں پلنگ کی ریشمی چادر کو بھینچ لیا۔ وہ مضطرب بے چین میں لگتی تھی۔

''ان تینوں نے گستاخی کی تھی اور ان کو اس کی کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔''

شریفہ نے گہری سانس لے کر افسوس سے سر جھٹکا۔ شہزادی کا رہا سہا رعب جو کل تک شریفہ نے محسوس کیا تھا' اس کے بچگانہ رویے کے باعث اب اس کے دل سے جانے لگا تھا۔ سو وہ گردن پوری اٹھائے کھل کے بولنے لگی۔ ''شہزادی آپ اب ایک قدم اٹھا چکی ہیں۔ اب آپ کو شرمندگی سے بچنے کے لئے اس پہ قائم رہنا چاہیے۔''

''شرمندگی؟''

''شہزادی یان سوفو کو جانتی ہیں آپ؟ وہ چینی بادشاہ کی صاحبزادی ہیں۔ چند ماہ قبل وہ سلطان مرسل سے شادی کرنے کے لئے اپنے والد کی رضامندی کے ساتھ ایک بڑے چینی قافلے کے ہمراہ ملاکہ آئی ہیں۔ وہ بوکی چینہ (چینی پہاڑی) والے محل میں قیام پذیر ہیں مگر ان کا اکثر یہاں آنا جانا رہتا ہے۔ یہ چند ماہ ان کی شادی کی تیاریوں میں گزر گئے۔ دو ہفتے بعد ان کی اور سلطان مرسل کی شادی ہے۔ شہزادی یان سوفو نے ان چند ماہ میں اپنے بہت تعلقات بنا لئے ہیں اور وہ سلطان کے فیصلوں پہ اثر انداز بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے ہی الور

سونگائی کے لوگوں پہ ظلم ڈھایا اور وہ آپ کے والد کی دشمن ہیں۔ان کو خبر مل گئی کہ آپ جذباتی فیصلے کرتی ہیں تو وہ آپ کو شرمندہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گی۔"

"تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟" تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے اور رنگت پھیکی پڑ گئی۔

"شہزادی!" وہ سبھاؤ سے سمجھانے لگی۔" آپ کو قیدیوں کو سزا دینی ہوگی۔"

"سزا....؟ ہاں یہ ٹھیک ہے۔میں ان کو سخت سے سخت سزاؤں گی۔ان سے بھاری سے بھاری مشقت کروائی جائے گی۔ایسے ٹھیک رہے گا۔"

"بالکل شہزادی۔یہ بہترین رہے گا۔"

تالیہ ایک دم کھڑی ہوئی اور جیسے اعتماد کو بحال کرتے ہوئے گردن کڑا کے بولی۔

"میں ....میں خود اپنے سامنے ان کو سزا سناؤں گی۔مجھے قید خانے میں لے چلو۔"

"جو آپ کا حکم شہزادی۔" شریفہ نے گہری سانس لے کر تالیہ کے چہرے کو دیکھا جو تائی ژیان کی گردن مار دینے کے بعد سے مرجھایا ہوا تھا' اب کھل اٹھا تھا۔

ایڈم سر جھکائے نڈھال پڑا تھا جب اس نے قریب آتے قدموں کی چاپ سنی۔وہ چونک کے سیدھا ہوا۔کونے میں لگی گول سیڑھیوں سے چند افراد نیچے اتر رہے تھے۔ایڈم تیزی سے کھڑا ہوا۔اسے سرخ اور سنہری لباس کی جھلک دکھائی دی تھی۔

نیچے آنے والوں میں سب سے آگے تالیہ تھی۔اس کا لمبا لباس زمین پہ جھاڑو دے رہا تھا اور وہ ہاتھ باہم پھنسائے بہت شان سے چلتی ہوئی سلاخ دار دروازے تک آئی تھی۔سر کا تاج نیم اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

باقی دونوں قیدی بھی شہزادی کے احترام میں ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے تھے۔

"اتنا تو بتا دیں کہ آپ نے مجھے کیوں پکڑوایا ہے' شہزادی صاحبہ!" ایڈم سلاخوں کو پکڑے روہانسا ہو کے بولا۔"صبح سے بھوکا پیاسا پڑا ہوں۔کوئی پوچھنے تک نہیں آیا۔اچھا فائدہ ہوا ہمیں آپ کے شہزادی ہونے کا۔"

شہزادی نے اچھنبے سے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ کھڑے سپاہیوں کو مخاطب کیا۔"یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"میں خود نہیں سمجھ پا رہا۔" سپاہی نے لاعلمی ظاہر کی۔

ایڈم نے افسوس سے ان دونوں کو دیکھا جو نا سمجھی سے ایڈم کو دیکھتے ہوئے بات کر رہے تھے۔

"آپ کی یہ اداکاری میرے اوپر گراں گزر رہی ہے' چے تالیہ۔آپ سمجھتی کیا ہیں مجھے؟ میں انسان نہیں ہوں کیا؟ میرے اندر سیل ڈالے جاتے ہیں کیا؟"

وہ کوفت سے سپاہیوں کی طرف گھومی۔ پھر ایڈم نے دیکھا کہ وہ باری باری تینوں کی طرف اشارہ کر کے ان کو ہدایات دے رہی تھی۔ زبان انجان تھی۔ مگر جیسے ہی باقی دونوں قیدیوں نے اس کے الفاظ سنے وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے نیچے کو جھک گئے۔ ایڈم ہیجان میں کھڑا رہ گیا۔ وہ آخر کیا حکم دے رہی تھی؟

تالیہ انہی اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی سلاخ دار دروازے کے قریب آئی' اور اپنے مرمریں ہاتھ سے ایک سلاخ تھامی۔ پھر قدرے برہمی سے ایڈم کو دیکھ کے اسی انجان زبان میں کچھ بولی جیسے اس کی سرزنش کر رہی ہو اور سنگین نتائج کی دھمکی دے رہی ہو۔

''مجھے کچھ کھانے کو ہی بھجوا دیں' یار۔ وہ پنجرے والے کم از کم کھانا تو اچھا دیتے تھے۔'' وہ روہانسا ہو گیا۔ تالیہ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور پلٹ گئی۔ اس کی معیت میں سپاہی بھی مڑ گئے اور چند لمحوں میں وہ لوگ جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس چلے گئے۔

ایڈم سلاخوں کے قریب آیا اور آہستہ سے اپنا جوتا اس شے کے اوپر رکھا جو تالیہ کے ہاتھوں سے پھسل کے نیچے جا گری تھی۔ وہ چند لمحے دم سادھے وہاں کھڑا رہا پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ دوسرے قیدی نڈھال سے واپس بیٹھ گئے ہیں اور پہریدار اس طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ دھیرے سے وہیں بیٹھتا گیا اور پھر آہستہ سے وہ شے اٹھائی۔

وہ ایک ننھا سا کاغذ کا ٹکڑا تھا۔

ایڈم نے اسے کھولا اور مشعل کی پھڑپھڑاتی روشنی میں غور سے پڑھا۔ اس پہ انگریزی میں لکھا تھا۔

''مجھے پلان بنانے آتے ہیں' ایڈم مگر تمہیں صرف کتابیں پڑھنا آتی ہیں۔''

ایڈم نے پیغام کو مٹھی میں دبا لیا اور بے چینی سے پہلو بدلا۔

(ہے تالیہ کے ہر پلان میں مجھ پہ طنز کرنا ضروری ہوتا ہے کیا؟)

☆......☆......☆

شام ڈھلتے ہی محل کی بیرونی دیوار پہ لگی قندیلیں روشن ہونے لگیں تو سارا محل دور سے جگمگاتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

محل کے اندر بہت سے چوکور باغ تھے۔ ایسے ہی ایک باغ کے وسط میں تالاب بنا تھا جس کے اندر سنگِ مرمر کا نیلاہٹ مائل فرش بچھا تھا۔ دیواروں پہ جگمگاتی مشعلوں کے باعث تالاب کا پانی جھلملاتا دکھائی دیتا تھا۔

تالاب کے زینوں پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے' آنکھیں بند کیے وہ مغموم سی بیٹھی نظر آتی تھی۔ یا شاید بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔

برآمدے سے شریفہ طشتری اٹھائے گزر رہی تھی۔ تالیہ کو بے خبر پا کے اس نے رفتار تیز کر دی۔

محل کے اندر دیواروں پہ جا بجا قندیلیں اور لالٹین لگے تھے۔ کہیں موم بتیوں کے اسٹینڈ تھے۔ چھتوں سے روشن فانوس لٹک رہے تھے۔ یہ زرد روشنی ماحول کو مزید پر فسوں اور خوابناک بنا رہی تھی۔

شریفہ تیزی سے اوپر آئی اور شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کا دروازہ کھولا۔ پہریداروں کو وہ پہلے ہی بھیج چکی تھی۔

دروازہ بھیڑ کے وہ اندر آئی اور جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔ اس میں بڑے بڑے دراز بنے تھے۔ وہ ایک ایک کو کھولنے لگی۔ شام میں اس نے دیکھا تھا کہ تالیہ نے اس کے آتے ہی کوئی شے جلدی سے گاؤ تکیے کے پیچھے چھپائی تھی۔ وہ کوئی ریشمی گلابی رومال میں بندھی شے تھی جو شریفہ کے ذہن میں کھٹک گئی تھی۔

آخر شہزادی کا راز کیا تھا؟

اس نے بستر کے ساتھ رکھا صندوق کھولا اور چیزیں اوپر تلے کیں۔ کونے میں وہ اسے نظر آ ہی گیا۔ گلابی ریشم میں لپٹا ہوا کوئی بنڈل ہو جیسے۔ شریفہ مسکرائی اور اسے نکال کے چہرے کے سامنے لائی۔

یکدم کمرے میں جلتی قندیل بجھ گئی۔ ایک دم سارے میں اندھیرا چھا گیا۔ شریفہ چونک کے گھومی۔

کھڑکی کے پٹ اچانک سے کھل گئے تھے اور تیز ہوا کے باعث پردے اڑتے جا رہے تھے۔ آسمان پہ بادل گرج رہے تھے۔ وقفے وقفے سے بجلی بھی چمکتی۔ ہوا نے ہی قندیل بجھائی تھی۔

شریفہ قندیل آگے بڑھی، مگر اسی پل بجلی چمکی تو سامنے کوئی ہیولہ سا نظر آیا۔ وہ بالکل ساکت رہ گئی۔ اندھیرا دوبارہ چھا گیا۔

کنیز ریشمی رومال میں لپٹی شے سینے سے لگائے ایک قدم پیچھے ہٹی۔ دل زور سے دھڑکا۔

''کل رات کیا ہوا تھا شریفہ؟'' بجلی دوبارہ چمکی تو پل بھر کو کمرہ روشن ہوا۔

کھڑکی کے سامنے وہ کھڑی تھی۔ اس کے کھلے سنہری بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔ آنکھیں شریفہ پہ جمی تھیں۔ اور آواز.... یہ وہ آواز نہیں تھی جس میں وہ دو دن سے اس سے بات کرتی آ رہی تھی۔

یہ تو لگتا تھا جیسے کوئی اور عورت ہے۔

''کل رات تمہیں یاد ہے کیا ہوا تھا شریفہ؟'' نیم اندھیرے میں وہ سرخ لباس کو دونوں پہلوؤں سے اٹھائے قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ شریفہ خوف سے پیچھے ہونے لگی۔

''تم رات کے دوسرے پہر کسی کھٹکے سے اٹھی تھیں۔ تم نے اپنے کمرے میں کوئی آہٹ سنی تھی۔ یاد ہے؟ تم نے ادھر ادھر دیکھا پھر بلی کی آواز آئی تو تم مطمئن ہو گئیں۔'' تالیہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ شریفہ پیچھے ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ اس کی کمر دیوار سے ٹکرائی۔

''تم دوبارہ سو گئیں۔ پھر تم نے کوئی آہٹ نہیں سنی کیونکہ بلی کوئی آہٹ پیدا ہی نہیں کرتی۔ وہ دبے قدموں آتی ہے۔ سانس بھی نہیں لیتی۔ آہستہ آہستہ....وہ تمہاری موجودگی میں....'' بجلی کڑکی تو کمرہ روشن ہوا اور کھلے بالوں والی حسین شہزادی نظر آئی۔ اس کی تیز

نظریں اور وہ آنکھیں....شریفہ کا خون منجمد ہونے لگا۔

''تمہاری موجودگی میں وہ تمہارے سارے سامان کی تلاشی لے لیتی ہے مگر سانس لینے کی آواز بھی نہیں نکالتی۔ اور اسی خاموشی سے واپس چلی جاتی ہے۔ مگر اس شے کے ساتھ۔''

''شہزادی' میں آپ کے کمرے میں صرف صفائی کے لئے .....''اس نے کہنا چاہا' مگر پھر تالیہ کے الفاظ پہ چونکی۔ کرنٹ کھا کے اپنے ہاتھوں میں موجود شے کو دیکھا۔''جی؟''

''اسے کھول کے تو دیکھو کہ یہ کیا ہے؟''

باہر وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی۔ بارش کی بوندیں تڑ تڑ برسنے لگی تھیں۔ ایسے میں شہزادی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی قندیل کے پاس رکی اور سلائی لگا کے اسے آنچ دکھائی۔ شعلہ سا بھڑکا اور سارا کمرہ روشن ہو گیا۔

شریفہ نے تیزی سے رومال اتارا۔ اندر چند کاغذ سیدھے رکھے تھے۔ وہ دراصل کاغذات کا ایک بنڈل تھا۔

شہزادی آگے بڑھی اور کھڑکی بند کر دی۔ پھر پردے جھٹکے سے برابر کیے۔ ہوا کا راستہ رک گیا۔ بارش کی تڑتڑاہٹ ختم ہو گئی۔ اب صرف زرد روشن کمرہ تھا اور شریفہ جوان کاغذوں کو کھول کے دیکھ رہی تھی۔ پہلے صفحے پہ نگاہ دوڑائی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ بے یقینی سے چہرہ اٹھا کے تالیہ کو دیکھا جو گردن اٹھائے' شان سے مسکرا رہی تھی۔

''یہ تمہارے خطوط ہیں۔ جو تمہارے نام لکھے ہیں کسی نے۔ بھلا کس نے؟'' شہزادی نے لمحے بھر کو سوچا۔''سابق بنداہارا کی فوج کے جرنیل بھوپالن نے۔ وہ پہلے اسی محل میں رہتا تھا۔ تم سے محبت بھی کرتا تھا' مگر اب وہ تمہیں خط لکھ کے مراد راجہ کی فوج اور اس کے رازوں کے بارے میں سوال کرتا رہتا ہے۔ وہ مفرور ہے اور میرے باپا کے آدمی اس کی تلاش میں ساری سلطنت میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں لیکن اس کو ڈھونڈ نہیں پا رہے۔ کیا ان کو معلوم ہے کہ وہ تم سے رابطے میں ہے؟''

خطوط شریفہ کے ہاتھ سے پھسل گئے۔ وہ ایک دم دوڑتی ہوئی آئی اور تالیہ بنتِ مراد کے قدموں میں گر گئی۔''شہزادی میری جان لے لیجئے' مگر خدارا میرا یقین کریں۔ میں نے اس کو کبھی کوئی راز نہیں بتایا۔''

تالیہ تیزی سے جھکی اور جھٹکے سے اسے کندھے سے دبوچ کر اوپر کھڑا کیا۔

''جان لے لوں گی تمہاری اگر تم دوبارہ میرے قدموں میں گریں۔ میرے سامنے ایک انسان کی طرح کھڑے ہو کے بات کیا کرو شریفہ! یوں جانوروں کی طرح قدموں میں نہ گرا کرو!'' وہ غصے سے غرائی تو شریفہ ہاتھ باندھے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ خوف اور گھبراہٹ سے سفید پڑ چکا تھا۔

''شہزادی....میں قسم کھاتی ہوں میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔''

''میں جانتی ہوں....'' تالیہ نے جھٹکے سے اسے چھوڑا اور گہری سانس بھری۔ ''جو خط تم نے اسے کل لکھا تھا اور ابھی بھیجا نہیں تھا' وہ میں نے پڑھ کے واپس رکھ دیا تھا۔ تم اسے کچھ نہیں بتاتیں۔ میں جانتی ہوں۔ کیونکہ تمہیں محل کا عیش و آرام پسند ہے۔ تم اس سے صرف محبت بھری باتیں کرنا چاہتی ہو مگر وہ صرف تم سے دفاعی حکمت عملی کے رازوں کے بارے میں جاننے کے لئے رابطہ رکھتا ہے۔ البتہ....'' وقفہ دیا.... ''کوئی صرف اس کے خط پڑھے تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ رازوں کی تجارت دوطرفہ ہے۔''

شریفہ نے گھبرا کے نفی میں سر ہلایا۔ ''خدارا راجہ کو مت بتائیے گا۔ آپ جو کہیں گی میں کروں گی۔ خدا کے لئے شہزادی' مجھے معاف کر دیں۔ بدلے میں آپ مجھ سے جو چاہے کروالیں۔''

تالیہ نے نزاکت سے چہرے پہ آئی سنہری لٹ پیچھے کی۔ ''تمہاری باتیں مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔ مگر یہ تم دل سے نہیں کہہ رہیں۔ تم اندر ہی اندر یہ سوچ رہی ہو کہ صبح ہوتے ہی تم یہ خط میرے کمرے سے چرا لو گی اور دوبارہ سے میرے باپ کے ساتھ مل جاؤ گی۔ ہے نا؟''

''شہزادی' میں.....''

''تمہیں کیا لگتا ہے بے وقوف' میں نہیں دیکھ رہی کہ تم کس کس وقت میرے بابا سے مل کے آتی ہو اور ان کو میری ہر بات کی خبر دیتی ہو؟ چھپ کے کسی کی نقل و حرکت پہ نظر رکھنے کے کام میں تم مجھ سے اچھی نہیں ہو سکتیں۔ تم ابھی تاشہ بنتِ مراد کو جانتی نہیں ہو۔''

شریفہ نے خفت سے آنکھیں جھکا دیں۔ شہزادی آگے بڑھی اور نیچے گرا بنڈل اٹھایا' پھر واپس صندوق تک گئی اور اسے اندر ڈال کے بے نیازی سے ڈھکن گرا دیا۔ پھر اسی شان سے واپس گھومی۔

''یہ خط اب اسی جگہ رہیں گے' اور تم چاہو تو ان کو واپس چرا سکتی ہو' لیکن بات یہ ہے شریفہ کہ تاشہ بنتِ مراد سے کوئی کچھ بھی نہیں چرا سکتا۔ کیونکہ....'' وہ پلنگ تک آئی اور تکیے تلے سے ایک بنڈل نکالا۔ پھر اوپری کاغذ اٹھا کے شریفہ کے سامنے لہرایا۔

''کیونکہ تاشہ صرف شہزادی نہیں ہے۔ وہ ایک ساحرہ بھی ہے' جسے دنیا کا ہر کام آتا ہے۔''

شریفہ نے چہرہ اٹھا کے اس کاغذ کو دیکھا اور جیسے جیسے وہ پڑھتی گئی اس کی آنکھیں حیرت اور الجھن سے پھیلتی گئیں۔

''یہ اس جرنیل کا خط ہے شریفہ' اور اس پہ اس کی مہر بھی لگی ہے اور اس میں وہ تمہاری راجہ مراد کے خلاف مدد پہ تمہارا شکریہ ادا کر رہا ہے۔''

''یہ خط.... یہ خط تو میں نے کبھی نہیں پڑھا۔''

''درست۔ کیونکہ اس نے یہ خط تمہیں کبھی نہیں لکھا۔ یہ خط میں نے لکھا ہے۔ اس کی لکھائی میں۔ اس کی مہر لگا کے۔ چند منٹوں میں میں نے ایک پورا خط لکھ لیا۔ نقول تیار کرنا میرے اوپر بہت آسان ہے' شریفہ۔''

کنیز نے حیرت، الجھن اور خوف سے اسے دیکھا۔ ہاتھ پھر سے جوڑ لئے۔ ''شہزادی میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔''

''جس دن یہ خط میرے صندوق سے غائب ہوئے نا' اس دن میں اس طرح کے پچاس نئے خط بنا کے راجہ مراد کو دکھا دوں گی۔ جرنیل کی خفیہ مہر اور لکھائی وہ پہچانتے ہیں اور میں ان خطوط میں وہ' وہ باتیں لکھوں گی کہ راجہ تمہاری گردن ایک لمحے میں اتار دے گا۔''

کہہ کے اس نے جعلی خط زور سے بستر پہ پھینکے۔ شریفہ کو خوف سے جھٹکا سا آیا۔

''میں تاشہ پسونا ہوں اور جو چیز ایک دفعہ دیکھ لوں' وہ مجھے نہیں بھولتی۔ میرے دماغ سے تم ان خطوط کو....'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے' اس نے کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی۔ ''کبھی نہیں چرا سکتی۔''

''شہزادی!'' شریفہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کے چہرہ جھکا دیا۔

''میں آج سے آپ کی غلام ہوں۔ راجہ نے مجھے آپ کی جاسوسی کرنے کا کہا تھا اور میں یہ صرف اس لئے کر رہی تھی کیونکہ میں ان کی غلام تھی مگر آج سے مجھ پہ سب سے پہلا حق آپ کا ہے۔ میں آپ کے لئے وہ سب بھی کروں گی جو میں کسی اور کے لئے نہیں کرتی۔ بس مجھے معاف کر دیجیے' شہزادی۔'' وہ دوبارہ جھکنے لگی مگر تالیہ کی تنبیہہ یاد آ گئی۔ سو ہاتھ باندھے کھڑی رہی۔

تالیہ مسہری تک آئی' ایک شان سے لباس پھیلا کے اس پہ بیٹھی' اور ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔ پھر گالوں پہ جھومتی سنہری لٹ دو انگلیوں کے درمیان سے گزارتے ہوئے گویا ہوئی۔

''تم آج سے نہ صرف میری کنیز ہو بلکہ تم اس محل میں میری آنکھیں اور میرے کان ہو گی۔ تم میرا ہر حکم بلا چوں چراں مانو گی۔ تم میرے لئے ہر وہ کام کرو گی جو میں تمہیں کہوں گی۔ اس کے بدلے میں میں تمہیں اچھا مال اور اچھی خوراک دوں گی۔ اور سب سے بڑھ کے میں تمہیں عزت دوں گی۔ میں تمہیں اپنے پیروں کو چاٹنے سے بچاؤں گی۔ میں تمہیں ایک انسان کی طرح رکھوں گی۔ لیکن جس دن تم نے مجھ سے غداری کی' اس روز.... میں.... تمہاری.... جان لے لوں گی۔'' آخری الفاظ چبا چبا کے ادا کیے۔ اس کی آنکھیں شریفہ کے اندر تک اتر رہی تھیں۔ وہ فوراً سے بولی۔

''آپ مجھے ہمیشہ وفادار پائیں گی شہزادی۔ میں نے محل سے کوئی غداری نہیں کی' نہ کروں گی۔ آپ حکم دیجیے' میں آپ کے لئے کیا کروں؟''

''ہوں۔'' تالیہ نے ایک انگلی اپنے کان کے آویزے پہ پھیرتے ہوئے سوچتی نظروں سے شریفہ کو دیکھا۔

''آج جب ہم بازار گئے تھے تو وہاں ایک عمارت تعمیر ہو رہی تھی۔ وہ اور اس کے سامنے والی حویلی کس کی ہے؟''

''وہ؟'' شریفہ نے جلدی جلدی ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑے اور بتانے لگی۔ وہ دونوں حویلیاں ابوالخیر کی ہیں۔ وہ ملاکہ کا سب سے بڑا تاجر ہے۔ بہت مال' بیٹوں اور غلاموں والا۔''

''ہوں.... کس چیز کا تاجر ہے وہ؟''

''مچھلی' گوشت اور مصالحوں کا۔ وہ ہندوستانی تاجروں سے سخت خار کھاتا ہے اور ان کے مصالحے چرا لیتا ہے یا خراب کروا دیتا ہے' اور اپنے مصالحے مہنگے دام بیچتا ہے۔ وہ رئیس ہے اور اس کے ہاں سلاطین' وزراء اور امراء کا روز کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ راجہ مراد کا خاص دوست ہے وہ۔''

''اور وہ لوگ جو عمارت تعمیر کر رہے تھے' وہ کون تھے۔''

''وہ اس کے غلام ہیں۔ عام لوگوں کی طرح وہ منڈی سے غلام نہیں خریدتا بلکہ لوگوں کو اغوا کر کے زبردستی غلام بنا لیتا ہے۔ پھر ان سے مفت میں کام کرواتا ہے۔ برسوں سے لوگ اس کے پاس یونہی قید ہیں مگر اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ وہ ہر بندا ہارا کا دوست جو ہوتا ہے۔''

''تو کیا سارے غلام ہمیشہ اس کے پاس قید رہتے ہیں؟''

''نہیں۔ وہ چند غلاموں کو جو کسی ہنر سے آراستہ ہوں' اور دیکھنے میں تنومند اور مضبوط ہوں' ان کو وہ الگ کر لیتا ہے۔''

تالیہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ ''اچھا۔ اور ان کو وہ اچھی خوراک دیتا ہے نا؟ تاکہ وہ صحت مند لگیں؟''

شریفہ نے سر ہلایا۔

''جی ہاں۔ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے' انہیں سارے ہنر سکھاتا ہے اور انہیں خوب تیار کر کے ہر تھوڑے عرصے بعد نیلامی میں بیچ دیتا ہے۔''

''نیلامی؟'' وہ چونکی۔ ''انسانوں کی نیلامی؟'' اس کا دل ڈوبا۔

''جی شہزادی۔ چین میں بھی تو ہوتی ہوں گی نیلامیاں۔'' اس کا انداز دفاعی مگر مغموم ہو گیا۔ ''بڑے بڑے امراء اور شہزادے ایسی نیلامیوں سے اپنے لئے خاص غلام خریدا کرتے ہیں۔'' وہ رکی۔ ''کیا آپ اس کے پاس سے کسی غلام کو خریدنا چاہتی ہیں؟''

''جو میں چاہتی ہوں وہ میں تمہیں بتا دیتی ہوں' اور ہو سکتا ہے کہ تم وہ نہ کر سکو' لیکن اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ کام تم کو ہی کرنا ہے۔ ہر صورت۔'' اس کے الفاظ سرد تھے اور سنگین بھی۔ دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔

دیوار پہ لگی قندیل ہلکی سی پھڑ پھڑا رہی تھی۔ باہر تڑاتڑ بارش برسے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی کے باورچی خانے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کمرے بنے تھے۔ ان کے اندر فرش پہ بھوسے کے بستر تھے اور دروازوں کی جگہ پردے لہرا رہے تھے۔ ایسے ہی ایک چھوٹے سے کمرے میں وہ چت لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔ بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر تلے رکھا تھا اور گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔

باہر بارش موسلا دھار برس رہی تھی۔ وقفے وقفے سے بجلی چمکتی اور اوپر لگے روشن دان سے اندر آ کے سارا کمرہ روشن کر دیتی۔ روشن دان چند فٹ ہی اونچا تھا۔ اور شیشے کا بنا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔

یکدم پردہ ہلکا سا سرکا اور ننھی سی آریانہ اندر داخل ہوئی۔ کھلے بالوں پہ سفید ہیئر بینڈ لگائے' سفید فراک پہنے وہ آہستہ سے ایک دیوار سے جا لگی اور اداسی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ڈیڈ!''

''ہوں۔'' وہ چھت کو تکتے ہوئے بڑبڑایا۔

''آپ دکھی ہیں نا؟ ہونا بھی چاہیے۔ آخر آپ ایک قیدی ہیں۔ وقت کے قیدی۔ اس گندے میلے احاطے میں پھنسے قیدی' جہاں کوئی کبھی بھی آپ کو زخمی کر سکتا ہے۔ مار بھی سکتا ہے۔ جہاں یہ آپ سے جانوروں کی طرح کام کرواتے ہیں۔ آپ کو اب اس زندگی' اور خدا سے مایوس ہو جانا چاہیے۔'' وہ دھیرے دھیرے اس کو تلخ حقیقت سے روشناس کروا رہی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے میں جب لاء پڑھ رہا تھا تو میں کیا بننا چاہتا تھا؟'' وہ چھت کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چڑ سی گئی۔

''آپ کو اپنی قسمت کو کوسنا چاہیے' آپ کو رونا چاہیے۔ آپ کو اچھی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔''

''میں شیف بننا چاہتا تھا۔'' وہ چھت کو دیکھ کے مسکرایا۔ ''مجھے کھانے سے محبت تھی۔ سلاد کے پتوں کا رنگ۔ آگ پہ پیاز بھوننے کی خوشبو.... اسٹیک کے پکنے کی آوازیں۔ مکئی کے دانوں کی ساخت.... مجھے کھانے سے محبت تھی آریانہ۔ اور مجھے کچن کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کے سبزیاں کاٹنے میں جو مزا آتا تھا وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا تھا۔ مگر میں اتنا مصروف ہوتا تھا کہ کچھ نہیں بنا پاتا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے یاد کر کے کہہ رہا تھا۔ چہرے پہ زخم کے نشان ابھی تک نظر آ رہے تھے۔ شیو تازہ کی تھی مگر بلیڈ سے چند خراشیں پڑ گئی تھیں۔

''ڈیڈ.... اس مایوسی اور بددلی کو دیکھیں جو آپ کے اردگرد پھیلی ہے۔ یہ کچرا.... یہ انسانوں کو جانوروں کی طرح استعمال کرنا.... ڈیڈ....'' اس کا 'دماغ' آریانہ کے روپ میں اس کو یاد کروا رہا تھا کہ اسے دنیا کے دوسرے اکثر لوگوں کی طرح صرف برا ہی سوچنا ہے مگر وہ اپنے دل سے کچھ اور کہے جا رہا تھا۔

''شادی کے بعد ویسے ہی عرصہ کھانا بناتی تھی۔ پھر میں سیاست میں آ گیا۔ امریکہ میں جب میں اسٹیٹ اٹارنی کا الیکشن لڑنے نکلا تو میرے ساتھ پی آر کے لوگ ہوتے تھے ہر وقت۔ اور جب میں مشہور ہوتا گیا تو میرا اسٹاف بڑھتا گیا۔ لوگ میری ہر حرکت پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں ملائیشیاء واپس آیا تو میرا نام مزید بڑھ گیا۔ پرائیویسی ختم ہو گئی۔ ملازم' کنسلٹنٹ' کیمپین اسٹاف۔ باڈی مین۔ ہر وقت کوئی ساتھ چپکا ہوتا تھا۔ سیاست' ٹی وی شوز' پبلک appearances' میرا ایک بزنس فیس تھا۔ مجھے اپنے امیج کے مطابق کام کرنا تھا۔ میں کرتا رہا۔''

بارش کی بوندیں گرتی رہیں' بجلی چمکتی رہی اور وہ بولتا رہا۔ آریانہ ساتھ ہی کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔

''ہر وقت میڈیا' رپورٹرز' مخالف سیاستدان' میری اپنی پارٹی کے لوگ اور میرا خاندان' میرے فینز میری ہر حرکت کو جج کر رہے ہوتے تھے۔ اور جب میں تنہا ہوتا تو بھی اتنا مصروف ہوتا کہ کچن میں قدم تک نہ رکھ پاتا۔ مگر وہ شوق کبھی ختم نہیں ہوا۔ میں قید تھا۔ مجبوریوں اور کاموں میں۔ مگر اب.... اب میں آزاد ہوں۔''

''آپ قید ہیں' ڈیڈ!'' وہ روہانسی ہوئی۔ ''ہر چیز میں مثبت پہلو دیکھنا چھوڑ دیں' ڈیڈ۔''

''نہیں۔ میں آزاد ہوں۔ پہلی دفعہ میں آزاد ہوا ہوں' آریانہ۔'' اس نے نظروں کا زاویہ موڑا اور مسکرا کے دیوار سے لگی پریشان اور ڈری ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ ''مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا۔ کوئی میرا اسکینڈل نہیں بنائے گا۔ کوئی مجھے جج نہیں کرے گا۔ میں کبھی اتنا آزاد نہیں ہوا۔ میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ مجھے اس ملک کو نہیں چلانا۔ مجھے کوئی پارٹی نہیں چلانی۔ دیکھو ارد گرد.... یہاں کوئی مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ مجھے کسی کے سامنے اپنا بزنس فیس قائم نہیں رکھنا۔ میں آزاد ہوں۔ اور میں اس باورچی خانے میں کھانا پکا سکتا ہوں۔''

''آپ پھنس چکے ہیں۔ آپ مظلوم ہیں۔ آپ وکٹم ہیں۔ آپ....''

''میں مظلوم نہیں ہوں۔ میں نے اپنی مرضی سے وہ دروازہ پار کیا تھا۔ یہ میری چوائس تھی۔ اور میں یہ نہیں کہہ رہا کہ میں یہاں خوش ہوں۔ نہیں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں مشکل وقت میں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے نہیں بیٹھوں گا۔ میں اس سے کچھ سیکھ کے ہی نکلوں گا۔ تمہارے باپ نے آج تک ہمت نہیں ہاری۔ give up نہیں کیا۔ تو اب وہ کیوں ہمت ہارے گا۔ نکل تو میں آؤں گا اس سے۔ مگر مجھے اس قید کو بھی ایک تجربے جیسا سمجھنا ہے جو مجھے کچھ سکھائے۔ مجھے اس سے بہتر انسان بن کے نکلنا ہے۔ زیادہ آزاد۔''

''آپ کو ڈرنا چاہیے کہ یہ جنگلی لوگ آپ کو مار نہ دیں۔''

''مرنا کیا ہوتا ہے آریانہ؟'' اس نے گہری سانس لی اور بازوؤں کا تکیہ سر تلے رکھے دوبارہ سے اوپر دیکھنے لگا۔ ''ایک دنیا سے دوسری میں چلے جانا اور جب آپ ایک نئی دنیا میں چلے جاتے ہو تو پچھلی کے فائدے نقصان بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر مار بھی دیں تو کیا ہوگا؟ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ موت بھی صرف ایک تجربہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں دنیا سے جانے سے پہلے وہاں کتنی اچھائی اور positivity پھیلا کے جاتا ہوں۔ جب انسان کو یہ ایمان آجاتا ہے نا' تو وہ موت سے نہیں ڈرتا۔''

اس نے پھر سے دیوار کو دیکھا تو اب آریانہ وہاں نہیں تھی۔ وہ اپنے تمام تر واہموں اور خدشات سمیت غائب ہو چکی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کی مثبت سوچ نے اندر سر اٹھاتے منفی پن کو شکست دے دی تھی۔

گہری سانس لے کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ بارش اب ہلکی ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

صبح کا سورج ابھی پوری طرح قدیم ملاکہ پہ طلوع نہیں ہوا تھا۔ نارنجی لکیریں جامنی آسمان پہ بکھری تھیں جب سپاہی ان تین قیدیوں کو اپنے نرغے میں لئے محل کے سبزہ زار پہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ زنجیروں میں بندھے تھے اور وہ جھکے سروں کے ساتھ قطار میں چل رہے تھے۔

ایڈم سب سے پیچھے تھا اور اس کا چہرہ سب سے زیادہ لٹکا ہوا تھا۔

(جب ہم واپس جائیں گے تو اِن شاء اللہ چے تالیہ کے خلاف عدالت میں گواہی دینے اور ان کو جیل بھجوانے والا پہلا شخص میں ہوں گا۔) وہ بار بار زنجیر میں مقید ہاتھ شیو پہ پھیر کے تہیہ کرتا تھا۔

سپاہی ان کو لئے گھوڑوں کے اصطبل تک آ گئے۔ تلوار کی نوک سے ایک سپاہی نے پہلے قیدی کو اصطبل کے اندر دھکیلا۔ وہ ڈرتا ڈرتا آگے بڑھا۔ وہاں موجود مستعد کھڑے سپاہی نے کندھے سے پکڑ کے قیدی کا جائزہ لیا' پھر اس کو گھما پھرا کے دیکھا' پھر اس کی زنجیر کھول دی اور اسے کوئی پر مشقت کام سمجھانے لگا۔ قیدی مرے مرے انداز میں سر ہلانے لگا۔ پھر اس نے جھک کے کدال اٹھائی۔ سپاہی اس کو رعب سے ہدایات دیتا ایک طرف لے گیا۔

تو یہ تھی ان کی سزا۔

ہر قیدی کو مشقت کرنی تھی۔ ایڈم بن محمد کا دل مزید بجھ گیا۔

دیگر سپاہی ان دونوں کو لئے آگے بڑھ گئے۔ محل کی عقبی طرف ایک جگہ بہت سے جنگی آلات رکھے تھے اور منہ اندھیرے ہی شاہی غلام ان کو بنانے اور ان کی صفائی پہ جت جاتے تھے۔ بھٹی جل رہی تھی اور لوہے کو اندر دہکایا جا رہا تھا۔ وہاں موجود سپاہیوں نے دوسرے قیدی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور فٹا فٹ کام پہ لگا دیا۔

اب وہ ایڈم کو لئے مزید آگے آئے۔ وہ گم صم سا ان کے ساتھ چلتا آیا۔

(چے تالیہ پہ ملائیشیاء کے آئین کے مطابق چوری اور دھوکہ دہی کے ساتھ ساتھ معصوم شہریوں کو اغوا کر کے حبس بے جا میں رکھنے اور ان سے مشقت کروانے کا مقدمہ بھی بنتا ہے۔) لب کاٹتے وہ سوچ رہا تھا۔

آسمان کی رنگت ہلکی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسے لئے محل کی عمارت کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔ بہت سے دروازوں پہ پہریدار کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ پھر ایک اونچے اور بھاری لکڑی کے دروازے کے سامنے رکے۔ ایڈم ذرا ٹھٹھک کے آہستہ ہوا۔

وہاں شریفہ اور ایک دوسری کنیز کے ہمراہ....وہ کھڑی تھی۔

تاج سر پہ سجائے' بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ سر پہ کپڑا تھا جو تاج سے نکلتا ہوا کمر تک گر رہا تھا۔ نیچے اس نے گہرا نیلا اور

سنہری لباس پہن رکھا تھا۔ایڈم کو دیکھ کے شان سے مسکرائی تھی۔

''میری کیا سزا تجویز کی ہے چے تالیہ آپ نے؟'' وہ اسے دیکھتے ہی خفگی سے بولا۔کسی کو اس کے الفاظ سمجھ میں نہ آئے تھے نہ کسی نے توجہ دی۔بس پہریداروں نے اس کے ہاتھ کھول دیے۔اور خود دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔اب وہ شہزادی کے سامنے کھڑا اپنی سزا کا منتظر تھا۔

''جیسے میں نے آپ سے گیلری میں بدتمیزی نہیں کی تھی' مگر آپ نے وہاں بھی خوب واویلا مچایا تھا' ویسے ہی میں نے آپ سے اب بھی بدتمیزی نہیں کی تھی' لیکن پھر بھی آپ نے مجھے گرفتار کروا دیا اور....'' وہ غصے سے بولنے لگا مگر شہزادی تاشہ نے ہاتھ اٹھا کے نزاکت سے اشارہ کیا تو پہریداروں نے جھٹ اس دروازے کے پٹ اندر کی طرف دھکیل دیے۔دروازہ کھلتا چلا گیا۔ایڈم نے چونک کے دیکھا۔

اندر ایک طویل سا ہال تھا۔جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔وہاں قطار در قطار لکڑی کے ریکس لگے تھے جن پہ ترتیب سے کتابیں سجی تھیں۔ایڈم کا منہ کھل گیا۔

''یہ شاہی لائبریری ہے' ایڈم۔'' وہ اس کو دیکھ کے مدھم آواز میں بولی۔(پہریدار اور کنیزیں اس کو اجنبی زبان میں بات کرتے دیکھ کے بھی خاموش رہے۔جب شہزادی کچھ بول رہی ہو تو وہ گونگے بہرے بن جاتے تھے)''اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اس کی تمام کتابوں کو نئی جلدیں عطا کرو گے۔یعنی جلد بھی بناؤ گے اور اس کو چپکاؤ گے بھی۔یوں تم ساری کتابیں پڑھ بھی لو گے جو کہ قدیم ملے میں لکھی ہیں۔ہمارے اسکولز میں کلاسیکل ملے کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔تم نے بھی پڑھی ہوں گی۔تم ذہین ہو' رسم الخط سے واقف ہو۔چند دنوں میں الفاظ اور زبان پہ عبور حاصل کر لو گے۔کرنا بھی چاہیے کیونکہ جب تک تم زبان نہیں سیکھو گے' ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔اس لئے جب تالیہ کہے کہ اس کے پاس پلان ہے تو اس پہ بھروسہ کیا کرو کیونکہ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔'' وہ انگریزی میں کہہ رہی تھی۔چہرہ سنجیدہ تھا اور وہ ہکا بکا سن رہا تھا۔

پھر وہ کنیزوں اور غلاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔''تمہاری شہزادی کو سات زبانیں آتی ہیں۔یہ قیدی تامل زبان بولتا ہے اور یہ سمجھتا تھا کہ میں اس کی فضول گوئی نہیں سمجھ سکوں گی۔ہونہہ۔'' غرور سے کہہ کے' لباس پہلوؤں سے اٹھائے آگے بڑھ گئی۔کنیزوں اور غلاموں کی گردنیں فخر سے اٹھ سی گئیں اور وہ اس کے پیچھے ہو لئے۔دوسرے سپاہی ایڈم کو لئے اندر کی جانب بڑھ گئے۔وہ ابھی تک اَدھ کھلے منہ کے ساتھ بار بار گردن موڑ کے شہزادی کو دیکھتا تھا۔

اندر کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ایک دیوار سے دوسری تک۔قطار در قطار ریکس۔علم کے خزانے۔قدیم کتابیں۔ان کی خوشبو۔مدھم جلتی روشنیاں۔لکھائی کے لئے بنی میزیں۔ان پہ رکھی سیاہی کی ڈبیاں۔پرندوں کے پروں والے قلم۔وہ مسحور سا گول گھوم گھوم کے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

سپاہی اب درشتی سے اس کو کام سمجھانے لگا۔جلد کیسے بنانی ہے' اور کیسے کتاب پہ لگانی ہے۔ایڈم نے بالآخر گہری سانس لی۔

(چلو....اغوا اور حبس بے جا کی دفعات میں اپنے مقدمے سے نکال دوں گا۔)

اس نے رحم دلی سے تالیہ کے بہت سے گناہ معاف کیے اور سپاہیوں کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔

اس کی مشقت سب سے دلچسپ تھی۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی پہ وہ رات جب گہری ہونے لگی تو اس کی ساری کھڑکیوں کی روشنیاں دھیرے دھیرے گل ہوتی گئیں۔ ایسے میں باورچی خانے میں ہنوز لالٹین جل رہا تھا۔ سفید مونچھوں والا باورچی آستین چڑھائے' ڈوئی ہاتھ میں پکڑے تندہی سے ایک کم عمر لڑکے کو جھڑک رہا تھا جو سر جھکائے' مٹھیوں سے آٹے نما کوئی شے گوندھ رہا تھا۔ ادھر اس کا ہاتھ درست طریقے سے نہ مڑتا' ادھر باورچی ڈوئی کھینچ کے اس کے کندھے پہ مارتا۔

وان فاتح ٹوکری پہلو پہ اٹھائے باورچی خانے میں داخل ہوا تو مچھلیوں کی بُو بھی ساتھ ہی اندر آئی۔ ٹوکری کٹی ہوئی صاف مچھلیوں سے بھری تھی جسے اس نے میز پہ لا دھرا اور پھر ناگواری سے باورچی کو دیکھا جو اس لڑکے کو کوستے ہوئے ڈانٹ مار کے کام کروا رہا تھا۔ لڑکے کے آنسو بہہ رہے تھے اور شانے سے خون بھی رس رہا تھا۔ فاتح خاموش کھڑا اسے گھورتا رہا۔

باہر سے کسی نے آواز دی تو باورچی برے منہ بنائے باہر نکل گیا۔ لڑکے نے بھیگا چہرہ اٹھا کے گلہ آمیز نظروں سے فاتح کو دیکھا۔

''غصے والی شکل کیوں بنا رہے ہو اگر میری مدد نہیں کر سکتے تو؟'' اس کو جیسے آس ٹوٹنے کا دکھ تھا۔ الفاظ نہ سمجھ آئے ہوں' انداز بتاتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''مجھے اس پہ نہیں' تم پہ غصہ ہے۔ اگر کوئی تمہیں مار رہا ہے' اور تم اس کا ہاتھ خود نہیں پکڑ سکتے تو کوئی تمہیں اس کے ظلم سے نہیں بچا سکتا۔ جب تک تم اپنے لئے نہیں لڑو گے' کوئی تمہارے لئے نہیں لڑ سکتا۔''

لڑکے کو البتہ سمجھ نہ آئی تھی۔ بس خفگی سے آنسو پونچھتا پھر سے آٹا گوندھنے لگا۔

فاتح اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ رات سیاہ پڑ رہی تھی اور دھیرے دھیرے ساری حویلی نیند کی آغوش میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ وہ البتہ بھوسے کے بستر پہ چت لیٹا کافی دیر بس چھت کو دیکھتا رہا۔ ذہن میں وہ آریانہ سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

رات گہری ہوتی گئی۔ دوسرا پہر گزرنے لگا جب ایک دم اسے لگا اوپر روشن دان سے کوئی سانپ گرا ہے۔ وہ کرنٹ کھا کے اٹھا' اور چند قدم پیچھے ہٹا۔ پھر اندھیرے میں آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔

وہ سانپ نہیں تھا۔ وہ روشن دان سے لٹکی رسی تھی۔ وان فاتح کی گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔

رسی سے اوپر چڑھنا قطعاً مشکل نہ تھا۔ چند منٹ میں وہ روشن دان سے نکل کے اوپر آ گیا جہاں چھت کا شیڈ بنا تھا۔ طویل شیڈ جو

مخروطی تھا اوراوپر عمارت کے مینار تک جاتا تھا۔رسی وہاں چمنی سے بندھی تھی۔اور چمنی کے پاس....وہ آرام دہ سی بیٹھی تھی۔

فاتح احتیاط سے اوپر چڑھتا اس تک آیا۔پھرگردن گھما کے دیکھا۔پہریدار بہت نیچے تھے۔وہ انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

تالیہ نے شاہی لباس کی بجائے سادہ کھلا سیاہ پاجامہ اور سیاہ لمبی قمیص پہن رکھی تھی۔آلتی پالتی کرکے بیٹھی‘ وہ سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے‘ بس سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کے قریب فاتح نے قدم روکے۔

”شہزادی!“ سر کوخم دیا۔

وہ اٹھی نہیں۔بس سرکوجنبش دی۔”توانکو!“

(جگہ مخروطی تھی۔ذرا ہلتی تو نیچے پھسل سکتی تھی۔)

فاتح نے ادھرادھر دیکھا۔

”تم یہاں کیسے آئیں؟“

تالیہ گردن اٹھا کے اسے چمکتی آنکھوں سے دیکھتی مسکرائی۔

”جو مجھے آتا ہے‘ وہ میری جان بچا سکتا ہے۔اور مجھے دو ہی کام آتے ہیں۔بلی کی طرح دیواریں پھاند کے دوسروں کے گھروں میں داخل ہوجانا‘اور کسی بھی آرٹ ورک کی ہوبہونقالی کرلینا۔ان کاموں نے مجھے ایک کنیز کی وفاداری خریدی اور وہ مجھے یہاں تک لے آئی۔“

فاتح احتیاط سے اس کے ساتھ بیٹھا۔”تو کیا تم واقعی شہزادی تاشہ ہو؟“

وہ اداسی سے مسکرائی۔”جی ہاں۔ وہ تاشہ جس کا ذکرآپ کتابوں میں پڑھتے تھے‘وہ میں ہی ہوں۔وہ تمام کام جو اس نے کیے تھے‘وہ میں اب کروں گی۔ماضی نہیں بدل سکتا۔ہم دراصل تاریخ کو بدل نہیں رہے۔بلکہ ہم اس وقت تاریخ میں موجود ہیں اور ہم تاریخ کو بنا رہے ہیں۔“

”تم نے بنگارایا ملایو پڑھی ہے؟“

وہ دونوں مخروطی چھت پہ بیٹھے تھے اوران کو سامنے دور دور تک ملاکہ کا قدیم شہر پھیلا ہوانظر آتا تھا۔

”نہیں‘ توانکو۔“اس نے فاتح کو دیکھ کے کہا۔دونوں نے چہرہ ایک دوسرے کی طرف موڑ رکھا تھا۔”میں نے صرف شہزادی تاشہ کا نام سنا ہے۔میں نہیں جانتی کہ اس نے کون سے کارنامے انجام دیے تھے۔“

”میں جانتا ہوں۔میں نے بنگارایا ملایو پڑھی ہے۔“

تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔

”تو مجھے بتایئے کہ میں یہاں کون سے بڑے کام کرنے جارہی ہوں۔“وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا‘

پھر مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ کتاب تمہارے بارے میں لکھی گئی تھی مگر اس میں ان عظیم کاموں کا ذکر بھی ہے جو میں نہیں جانتا تم کر سکتی ہو یا نہیں۔ اس لئے میں تمہیں ان کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ تم اپنی فری وِل کو استعمال کر کے اپنی مرضی سے جو کرنا ہے کرو۔ یا تو وہ کتاب جھوٹی تھی' یا تم واقعی اتنی ہی عظیم ہو جتنا کہ اس میں لکھا تھا...." اس نے گہری سانس لی۔ "خیر.... ایڈم کو تم اپنے ساتھ رکھنے میں کامیاب ہو گئیں۔"

وہ جو انہماک سے سن رہی تھی' اس کے بات بدل دینے پہ بدمزہ ہوئی۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ "ہاں' وہ محل میں پورے عیش و آرام سے رہا ہے۔ درجنوں غلام اس کی خدمت پہ مامور ہیں۔ چھ سو کتابیں اس کو مطالعے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ تین وقت کا کھانا شاہی باورچی خانے سے آتا ہے اس کا۔ اور کیا چاہیے اس کو۔"

"مطلب تم نے اس کو شاہی لائبریری میں قیدِ بامشقت پہ رکھ دیا ہے۔"

"اب یہ تو اپنی اپنی نظر کی بات ہے' توانکو۔ چونکہ میری نظر مثبت ہے تو میرے خیال میں وہ بڑے آرام سے ہے۔" مزے سے بولی اور مسکراہٹ دبائی۔ فاتح بھی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

سلطنتِ ملاکہ کا قدیم چاند آسمان پہ تیر رہا تھا اور ایسے میں وہ دونوں اس مخروطی شیڈ پہ بیٹھے اطراف سے بے خبر نظر آتے تھے۔

"تم کیسی ہو؟" فاتح نے دھیرے سے پوچھا۔

"میرے پاس پلان ہے' توانکو۔ راجہ مراد مجھے چابی نہیں دیں گے' اس لئے میں ایڈم کو زبان سکھا رہی ہوں تاکہ وہ میرے ساتھ رہ سکے۔ آپ کو بھی میں آپ کے مالک سے خرید کے محل میں لے جاؤں گی۔ پھر ہم اس چابی کو مل کے تلاش کریں گے اور...."

"میں پوچھ رہا ہوں" "تم" "کیسی ہو' تالیہ؟" وہ نرمی سے بولا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

"میں؟" وہ گم صم ہوئی۔

"اپنے باپا سے اتنے عرصے بعد ملی ہو۔ اپنے ملک واپس آئی ہو۔ خوش ہو؟"

وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ "یہ میرا ملک نہیں ہے۔ یہ میرے لوگ نہیں ہیں۔ میرا ملک صرف ملائیشیاء ہے۔ 2016ء کا ملائیشیا اور مجھے اس میں واپس جانا ہے۔"

"اور تمہارے باپا؟"

"مجھے ان سے کوئی اپنائیت' کوئی محبت محسوس نہیں ہوئی۔ ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ میری فیملی صرف داتن ہے۔ اور کوئی نہیں۔" وہ اداس ہوئی۔ چہرہ موڑ لیا۔ اب وہ دور اندھیرے میں ڈوبے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ تو تم محسوس کر رہی ہو۔ راجہ مراد کیسا محسوس کرتا ہے؟"

''پتہ نہیں۔ میرا نہیں خیال ان کو مجھ میں کوئی دلچسپی ہے۔ انہوں نے پہلے ہی دن میرے پیچھے ایک کنیز کو لگا دیا۔''

''یا شاید تم فرض کر چکی ہو کہ تمہیں کوئی بھی انسان اپنی فیملی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے تم اپنی اصل فیملی سے مل کے بھی پر امید نہیں ہو۔ تم اپنی عزت نہیں کرتیں' تالیہ۔''

اس نے شاکی نظریں فاتح کی طرف موڑیں۔ ''میں سترہ سال بعد ان سے مل رہی ہوں مگر ان کے انداز میں کوئی محبت' کوئی والہانہ پن نہ تھا۔''

''تم اس سے سترہ سال بعد مل رہی ہو' وہ تمہیں پانچ دن بعد مل رہا ہے۔ پانچ دن صرف تم اس سے دور رہی ہو۔ ظاہر ہے وہ نارمل ہوگا۔''

''کیا آریانہ کو کھونے کے پانچویں دن آپ نارمل تھے؟'' الفاظ تھے کہ کیا.... فاتح ایک دم خاموش ہو گیا۔

''کیا اگر پانچویں دن اس چیئر لفٹ ٹریک پہ آپ جاتے اور وہ آپ کو مل جاتی تو کیا آپ اس سے محبت کا اظہار کرنے میں سرد مہری یا کنجوسی سے کام لیتے۔''

''میرا کیس مختلف ہے۔ میں اکیسویں صدی کا باپ ہوں۔ پہلے زمانے میں لوگ اتنے expressive نہیں تھے۔ باپ عموماً سخت گیر ہوتے تھے۔''

''ہاں!'' اس نے گہری سانس بھر کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہماری دنیا اور اس دنیا میں بہت فرق ہے۔ اور اپنی دنیا میں واپس جانے کے لئے ہمیں راجہ مراد سے لڑنا پڑے گا۔''

''تم اپنے باپ کو اپنا دشمن کیوں سمجھتی ہو؟''

''کیونکہ وہ کوئی ہیرو نہیں ہیں۔ وہ خطرناک ہیں۔ قاتل ہیں۔ ظالم ہیں۔ انہوں نے اپنے لوگوں سے وعدہ کیا تھا' ان کی بھلائی کا وعدہ اور پھر انہوں نے اپنا ضمیر بیچ کے اس وعدے کو بھلا دیا اور ایک طاقت ور عہدہ حاصل کر لیا۔ ایسے شخص کو کیا کہتے ہیں' تو انکو؟''

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر آہستہ سے بولا۔ ''سیاست دان۔''

وہ لمحے بھر کو کچھ بول نہ پائی۔ ''میرے بابا.... ایک ظالم' خطرناک....''

''سیاستدان ہیں۔ تمہارے بابا صرف ایک سیاستدان ہیں۔ اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔ ''سیاستدان سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی جنگ' کسی لڑائی' کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تمہیں سوائے ایک چیز کے۔''

''کیا؟''

''The art of Politics''

تالیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ''جو ہماری دنیا کے سیاستدان کرتے ہیں؟ ملک کا پیسہ چور کرنا' لوگوں سے وعدے کر کے ووٹ

لینا' اور پھران کو بھلا دینا' طاقت کا غلط استعمال کرنا.... یہ سب چیزیں اس پندرہویں صدی کے ملاکہ میں فٹ نہیں ہوتیں۔''

''اوہ تالیہ!'' وہ پیچھے ہوا اور بازوؤں کا تکیہ بنا کے نیم دراز انداز میں مخروطی شیڈ سے ٹیک لگالی۔ تالیہ کو گردن موڑ کے اسے دیکھنا پڑا۔ وہ اوپر آسمان پہ نظر آتے تاروں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''یہ تو برے سیاستدان کرتے ہیں۔ میں تمہیں برا بننے کے لئے نہیں کہہ رہا۔ صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم راجہ مراد سے چابی حاصل کرسکتی ہو اگر تم اس کو اسی کے انداز سے ہینڈل کرو۔''

''اور ان کا انداز جانتے ہیں آپ؟ کل ایک آدمی کی گردن اڑا دی صرف عوام کو پیغام دینے کے لئے کہ ملک میں نیا بندا ہارا آگیا ہے۔''

''ملک میں نئی شہزادی بھی تو آئی ہے۔ کیا شہزادی نے چندلوگ گرفتار کرنے کے علاوہ لوگوں کوئی پیغام دیا؟''

''میں طاقت کا اظہار کرنے کے لئے لوگوں کی گردنیں نہیں مارسکتی۔''

''گردنیں مارنا طاقت کے اظہار کا واحد طریقہ نہیں ہوتا۔ وہ برا ہے' تم اچھی ہو۔ تم اپنے طریقے سے اپنی طاقت کا اظہار کرو۔ طاقت کوئی ہموار زمین نہیں ہوتی۔ یا تو یہ اوپر جا رہی ہوتی ہے یا نیچے۔ تمہیں اس کو بڑھانا ہوگا۔''

''مگر کس طرح؟'' وہ الجھن سے بولی۔ پھر چونکی۔ ''آپ نے بنگارایا ملایو پڑھی تھی۔ اس میں لکھا تھا کچھ ایسا کیا؟ کہ شہزادی تاشہ نے محل میں آتے ہی طاقت کا اظہار کیا تھا؟ کیا کیا تھا میں نے؟'' وہ بے چین ہوگئی۔

''کیا تھا نہیں.... کروگی۔ اب تم جو کروگی وہ تاریخ بنے گا۔ اور ابھی وہ کتابوں میں بھی لکھا جائے گا۔ وہی جو میں نے پڑھا ہے یا تو وہ سچ ہے' یا جھوٹ۔ مگر میں یہ دیکھنا چاہوں گا کہ تم حقیقت میں کیا کرتی ہو۔ ہوسکتا ہے مورخین نے کتابوں میں سچ نہ لکھا ہو۔''

اس نے بددلی سے ابرو بھینچے۔ ''یعنی آپ نہیں چاہتے کہ میں ''اپنی'' ہی نقل کرلوں۔''

''جو تم سمجھو۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر میں وہی کروں گی جو مجھے درست لگے گا۔ لیکن مجھے صرف ایک بات بتا دیں۔ شہزادی تاشہ کا انجام کیا ہوا تھا؟ عصرہ کہتی تھیں' اس کا انجام ٹریجک تھا۔ میں نے نہیں پڑھ رکھا۔ آپ نے تو پڑھا ہے نا۔''

وہ چند ثانیے کو اسے دیکھتا رہا' پھر گہری سانس لی۔ ''کیا تمہارے بابا کے پاس چابی موجود ہے یا اس کو نئی بنانی پڑے گی؟'' وہ بات ٹال گیا تھا۔ تالیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔ مت بتائیں۔ وقت خود ہی سب ظاہر کردے گا۔'' پھر اس کا چہرہ دیکھ کے عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''آپ کو کسی چیز سے خوف کیوں نہیں آتا؟ کبھی مایوس کیوں نہیں ہوتے آپ؟''

وہ جو گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے بیٹھا تھا' اس بات پہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''میں نے زندگی میں بہت سی جنگیں لڑی ہیں۔ مجھے بھی سیٹ بیک ملتے ہیں مگر میں ایک دن کی بری باتوں کو صرف اس دن تک خود پہ طاری رکھتا ہوں۔ اگلی صبح میں نئی امید اور فریش ذہن کے ساتھ اٹھتا ہوں اور اپنے مقصد پہ فوکس کرتا ہوں۔''

''سب آپ جیسے نہیں بن سکتے۔''

''ظاہر ہے سب میرے جیسے نہیں بن سکتے۔ آسان تھوڑی ہے میرے جیسا بننا۔''

تالیہ اداسی سے مسکرا دی۔ پھر گردن گھما کے نیچے پھیلے احاطے کو دیکھا۔ یہاں سے احاطے کی صرف چار دیواری نظر آتی تھی۔ تبھی وہ پہریداروں کی نظروں سے محفوظ تھے۔

''میں اب چلتی ہوں۔ آپ نیچے اتر جائیں اور آرام کریں۔''

''اپنا خیال رکھنا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے سہج سہج قدم اٹھاتے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر لباس میں چھپایا بٹوہ نکالا۔ گیلا بٹوہ اب سوکھ چکا تھا اور اس میں وان فاتح کے آئی ڈی کارڈ، کریڈٹ کارڈ، رقم اور پاپ کارن کے ٹکڑے اسی طرح رکھے تھے۔ وہ بٹوہ واپس کرنے آئی تھی مگر نہیں کر سکی۔ نہ جانے کیوں۔

چند ساعتوں بعد محل کے سبزہ زار پہ وہ خاموشی سے شریفہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ دونوں نے چغے پہن رکھے تھے اور ٹوپیاں سروں پہ گرا رکھی تھیں۔ لائبریری کے سامنے وہ رکی اور چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی تو پہریدار اسے دیکھ کے چونکے۔ پھر ادب سے پیچھے ہٹ گئے۔

اندر فرش پہ کتابیں پھیلائے، چہرے کو کاٹتا ہوا ایڈم بیٹھا تھا۔ چراغ اور قندیلیں روشن تھیں۔ وہ گال تلے ہاتھ رکھے ایک کتاب کے مطالعے میں منہمک تھا۔ ایک کتاب کی جلد چپکا کے اسے سوکھنے کے لئے سامنے رکھا تھا۔

آہٹ پہ وہ ہڑبڑا کے سیدھا ہوا۔ پھر جلدی سے سیدھا کھڑا ہوا۔

چغے والی شہزادی قریب آ رہی تھی۔ ساتھ کوئی نہ تھا۔

''آپ کو معلوم ہے چے تالیہ.... اسکول میں ہمیں قدیم ملے میں لکھی چند کتابیں پڑھائی گئی تھیں۔ قدیم ملے بھی قدیم انگریزی کی طرح ہے۔'' وہ کتاب ہاتھ میں لئے جوش سے بتانے لگا۔ تھکا ہوا لگ رہا تھا مگر جوش قابلِ دید تھا۔ ''Chaucer کی کینٹربری ٹیلز چودھویں صدی میں لکھی گئی تھی اور پہلی نظر میں اس کی انگریزی بالکل سمجھ نہیں آتی مگر غور سے پڑھو تو زبان وہی ہے، صرف تلفظ اور ہجے مختلف ہیں۔ یہ قدیم ملے کی کتابیں میں تھوڑی بہت سمجھ سکتا ہوں کیونکہ صرف الفاظ کے ہجے زیادہ ہیں اور یہ لوگ ان کو مختلف طریقے سے ادا کرتے ہیں ورنہ زبان تقریباً وہی ہے۔''

''تم نے بنگا رایا ملایو پڑھی ہے؟ شہزادی تاشہ کی داستان؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''نہیں تو.... کبھی دل ہی نہیں چاہا۔''

''یعنی تمہیں نہیں معلوم کہ شہزادی تاشہ نے کون کون سے کارنامے سرانجام دیے تھے؟''

''نہیں بچے تالیہ۔ مجھے نہیں معلوم۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔'' پہلے وہ الجھا۔ پھر چونکا۔''اوہ میں سمجھ گیا۔ آپ ہر دفعہ کی طرح اس امتحان میں بھی چیٹنگ کر کے پاس ہونا چاہتی ہیں' ہے نا۔ آپ اس کتاب سے آئیڈیاز چرانا چاہتی ہیں۔ صحیح کہتے ہیں' چور چوری سے جائے' ہیرا پھیری سے نہ جائے۔''

''چور ہیرا پھیری سے جائے یا نہ جائے' یہ قیدی ضرور اپنے سر سے جائے گا۔'' دانت جما کے سرد لہجے میں بولی تو ایڈم کا منہ بن گیا۔

''میں ملائیشیاء کا ایک قانون پسند شہری ہوں۔ آپ جو سارا دن میرے اوپر ظلم ڈھاتی ہیں' ان کا حساب آپ کو ایک دن دینا ہوگا۔''

''کام پہ دھیان دو اور زیادہ دماغ خرچ مت کرو۔ کہیں ختم ہی نہ ہو جائے۔'' اور پھر ایک برہم سا 'ہونہہ' کر کے وہ پلٹ گئی۔

وہ ماتھے پہ لکیریں ڈالے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''اگر بے جا گمان کرنا گناہ نہ ہوتا تو میں ضرور سوچتا کہ کہیں بچے تالیہ نے اصلی شہزادی تاشہ کو قید کر کے اس کی جگہ تو نہیں لے لی۔ ویسے ملائیشیاء کے قانون کے مطابق کسی دوسرے کی شناخت اپنا لینے پہ کون سی دفعہ لگتی ہے؟''

وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس بیٹھا اور چمڑے کا ٹکڑا اٹھا لیا۔ ابھی اسے کافی سارا کام کرنا تھا۔

☆......☆......☆

صبح کی سفیدی محل کے میناروں سے ٹکرائی تو جامنی آسمان پہ تیرتے بادلوں کے نارنجی کنارے غائب ہونے لگے' یہاں تک کہ دودھیا پن سارے پہ چھا گیا اور آسمان خوب روشن ہو گیا۔

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں سنگھار میز کے سامنے کرسی پہ وہ بیٹھی تھی اور ٹیک لگائے' بے نیاز' مغرور نظروں سے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔ پیچھے کھڑی شریفہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھی دانت کا بنا کنگھا پھیر رہی تھی۔

ایک بازو اس نے پھیلا رکھا تھا جس میں ایک دوسری کنیز سونے کے کنگن چڑھا رہی تھی۔

''راجہ نے کہا ہے کہ شاہی اتالیق کو بلوایا جائے۔ وہ آپ کو مختلف فنون اور آداب کی تربیت دیں گے۔ اس کے علاوہ....''

تالیہ نے ابرو اٹھا کے برہمی سے عکس میں اپنے پیچھے کھڑے اسے دیکھا۔

''تاشہ کو سب آتا ہے۔ اسے کچھ بھی نیا سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مگر شہزادی' میری عرض سنیئے۔ شہزادیوں کو شاہی آداب سیکھنے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔''

''میں پہلے ہی بہت باادب اور سلیقہ مند ہوں۔ راجہ سے کہو' میری فکر نہ کیا کریں۔''

شریفہ خاموش ہوگئی۔

تبھی دروازے پہ دستک ہوئی اور ایک تائی ژیان ہاتھ باندھے اندر داخل ہوا۔

''شہزادی یان سوفو آپ سے ملنے آئی ہیں۔''

تالیہ چونکی۔ فوراً شریفہ کو دیکھا۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔ اس کا سنگھار مکمل ہو چکا تھا' لبوں پہ لپ اسٹک بھی لگی تھی اور آنکھوں میں کاجل بھی۔ مگر بال بنانے ابھی رہتے تھے۔

''شہزادی کو انتظار کرواؤ۔ مجھے ابھی دیر ہے۔'' بے نیازی سے بولی اور واپس پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔ آئینے میں وہ اپنی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جن میں یان سوفو کے ذکر کے بعد سے تپش سی بھر گئی تھی۔

وہ ظالم شہزادی جس نے الورسونگائی کے لوگوں پہ ظلم ڈھایا تھا....اور نہ جانے کتنے لوگوں کو قید میں ڈالا تھا....جس کی حد سے بڑھی حرکتوں پہ بھی سلطان اس کو ٹوکتا نہ تھا کیونکہ وہ چین کے بادشاہ کی بیٹی تھی اور سلطان کی محبوب منگیتر....جس سے چند دن بعد سلطان کی شادی ہونا تھی....وہ اس وقت ملاکہ کی سب سے طاقتور عورت تھی۔ سوائے راجہ مراد کے' اس کے مقابلے پہ کوئی نہ تھا۔

اس کی سازشیں وجہ بنی تھیں کہ تالیہ کا الورسونگائی اجڑ گیا اور وہ وقت کا دروازہ پار کر گئی۔

اور آج وہ اس شہزادی سے ملنے جا رہی تھی۔

تالیہ نے آج گلابی زرتار لباس پہنا تھا۔ بالکل شاکنگ پنک۔ لہنگا سا قدموں کے نیچے سے فرش پہ جھاڑو دیتا تھا' اور قمیض گھٹنوں تک آتی تھی۔ دونوں کہنیوں پہ ریشمی دوپٹہ پیچھے سے ڈال رکھا تھا جو لباس کے ساتھ ہی فرش کو چھوتا تھا۔ سنہری بال آدھے باندھے' وہ بالوں پہ تاج پہنے' باہر محل کے سبزہ زار کی روش پہ چلتی آ رہی تھی۔ دونوں کنیزیں اور خادم ایک قدم پیچھے تھے۔

باغ میں ایک جگہ چھوٹے چھوٹے درخت لگے تھے۔ ان کے ساتھ شہزادی یان سوفو کھڑی تھی۔ اس نے چینی طرز کی لمبی میکسی پہن رکھی تھی' اور بالوں کے جوڑے میں لمبی اسٹک اٹکی نظر آتی تھی۔ سیاہ بالوں والی دراز قد اور پرکشش شہزادی مسکرا کے دور سے اس کو آتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ جو کنیزیں اور خادم کھڑے تھے' وہ سب بھی چینی تھے۔

گلابی لباس والی تاشہ دونوں پہلوؤں سے لباس اٹھائے' قریب آئی تو اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

''شہزادی۔'' اس نے سر جھکا کے آداب کہا تو یان سوفو نے جواباً اپنا سر بھی جھکایا۔ ''شہزادی!'' پھر مسکرا کے اسے دیکھنے لگی۔

''ماشاءاللہ۔ راجہ مراد کی بیٹی تو میری سوچ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ آپ کو اس محل میں دیکھ کے بہت خوشی ہوئی' شہزادی تاشہ۔ مگر اس بات کا افسوس بھی ہوا کہ تین ماہ سے ہم ملاکہ میں رہ رہے ہیں' مگر کسی نے ہم سے ذکر تک نہ کیا کہ سلطان کے پھوپھی زاد راجہ مراد کی کوئی بیٹی چین میں بھی رہتی تھی۔ ویسے چین کے کس شہر میں اتنے سال گزارے آپ نے؟'' تالیہ جبراً مسکرائی۔

''کسی ایک شہر میں گزارے ہوں تو بتاتی ۔ اتنے شہروں میں رہی ہوں کہ مجھے تو سارا چین اپنا ہی لگتا ہے۔''

یان سوفو کی مسکراہٹ گہری ہوئی ۔نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

''آپ کی بہن کی گمشدگی کا سن کے افسوس ہوا۔کیا تالیہ ابھی تک نہیں ملی؟''

''تاشہ اور میں نے تالیہ کا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔اللہ نے چاہا تو وہ ضرور مل جائے گی۔''

آواز پہ وہ چونک کے بے اختیار گھومی ۔راجہ مراد روش پہ چلتا آ رہا تھا۔ ہاتھ کمر پہ باندھ رکھے تھے اور سپاٹ چہرے پہ سرد سی مسکراہٹ تھی۔ کندھوں پہ پہنی پوشاک قدموں تک آ رہی تھی۔

تالیہ کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے ہوئے۔ وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تو اسے مضبوط سہارے کا سا احساس ہوا۔ نہ جانے کیوں۔

''راجہ! آپ کو دیکھ کے اچھا لگا۔ کیا آپ نے میرا کام کر دیا؟ پوچھتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا' آپ کو زحمت بھی بہت دے رہی ہوں' مگر کام ضروری تھا۔'' یان سوفو نرمی اور خفت سے بولی تھی۔ وہ خفت مصنوعی تھی' یا شاید اس کا انداز ایسا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے شہزادی۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔ جو سامان آپ کو درکار تھا وہ میں نے آپ کے محل بجھوا دیا ہے' اور ہاں.... آپ کا چور بھی پکڑا گیا ہے۔''

''آپ کا بہت شکریہ' راجہ!'' وہ ممنون ہوئی۔ پھر تالیہ کا چہرہ دیکھا جو باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''میرے محل سے تھوڑا سا سونا چوری ہوا تھا۔ راجہ نے وعدہ کیا تھا کہ ان کے سپاہی چور کا سراغ لگا لیں گے۔ میرا ہی ایک ملے غلام تھا جو بھاگا ہوا تھا۔ اور بالآخر راجہ نے اس کو ڈھونڈ ہی نکالا۔''

تالیہ نے محض سر ہلا دیا۔ اس کے اعصاب تن رہے تھے۔ شہزادی اب پھر سے راجہ کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ شہد سے میٹھے لہجے' ممنون چہرے۔ کیا یہ دونوں دشمن نہیں تھے؟

''یہ رہا آپ کا مجرم!'' چند سپاہی دور ایک شخص کو رسیوں میں باندھے لے کر جاتے نظر آ رہے تھے۔ غالباً وہ راجہ کے ساتھ ہی آئے تھے۔ راجہ نے اشارہ کیا تو وہ اس شخص کو وہیں لے آئے۔ اس کی آنکھوں پہ پٹی بندھی تھی اور ہاتھ پیر بھی زنجیر پا تھے۔

یان سوفو نے ایک محظوظ نظر اس پہ ڈالی۔ وہ اب سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''اس کی پٹی کھولو۔ میں چاہتی ہوں کہ سزا کے وقت یہ میری آنکھوں میں دیکھے۔''

''آپ اس کو ابھی سزا دینا چاہتی ہیں۔'' راجہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

یان سوفو نے چمک کے اسے دیکھا۔ ''کیا آپ نہ دیتے؟''

''میرا مطلب تھا' اس جگہ؟ باغ میں؟ خیر!'' راجہ خاموش ہو گیا۔ سپاہیوں نے قیدی کی پٹی کھول دی۔ اس نے شہزادی کو دیکھا

اور نظریں خفت سے جھکالیں۔تالیہ کو عجیب سا احساس ہوا۔

شہزادی نے ایک ہاتھ پھیلایا تو ایک سپاہی نے اس پہ تلوار رکھی۔دوسرے سپاہی نے قیدی کا دایاں ہاتھ رسی سے نکال کے زور زبردستی سے سامنے کیا۔تالیہ کا سانس تھم گیا۔

(یہ آدمی چور نہیں ہے۔اگر چور ہوتا تو منت سماجت کرتا۔یہ تو سزا کے لئے تیار ہے۔)اس نے چونک کے راجہ مراد کو دیکھا جو کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا' سنجیدگی اور خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔(یہ آدمی بابا نے پکڑا ہے۔اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوئی۔بابا نے اصل چور کو بچانے کے لئے اس کو سامنے کر دیا ہے۔)ایک سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی گئی۔

''اسلام میں جو چور کی سزا ہے' وہی میں' شہزادی یان سوفو' تمہیں دیتی ہوں۔'' کہہ کے شہزادی نے مہارت سے تلوار بلند کی۔چور نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔تلوار نیچے آئی اور اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ کے نیچے گرا گئی۔خون کے چھینٹے سیدھے تالیہ کے اوپر آتے مگر وہ تیزی سے پیچھے ہوگئی۔بے اختیار اس نے باپ کی کہنی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

وہ آدمی درد سے چلا رہا تھا۔بازو سے خون بل بل بہہ رہا تھا۔

یان سوفو نے تلوار واپس تھما دی' اور مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔وہ لوگ سپاہی کو لئے واپس مڑ گئے۔اس کا خون یہاں وہاں گھاس پہ گرتا جا رہا تھا۔

''شکریہ بنداہارا۔مجھے امید ہے آئندہ بھی آپ میرے دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لئے میری مدد کرتے رہیں گے۔''

یہ کہہ کے شہزادی مڑ گئی۔اس کا عملہ بھی ساتھ ہی پلٹ گیا۔اور سبک رفتاری سے وہ روش پہ آگے بڑھتے گئے۔

تالیہ اسی طرح سن کھڑی تھی۔مراد کی کہنی سے آستین اس نے سختی سے بھینچ رکھی تھی۔آنکھیں دور جاتی یان سوفو پہ جمی تھیں۔

''بابا۔''لب پھڑ پھڑائے۔مراد نے گردن موڑ کے غور سے اس کا سفید پڑتا چہرہ دیکھا۔

''شریفہ کہہ رہی تھی کہ آپ میرے لئے شاہی اتالیق بھجوانا چاہتے ہیں جو مجھے شاہی آداب کی تربیت دے۔''اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور نظریں وہیں جمی تھیں۔''آپ کل صبح اس کو میرے پاس بھجوا دیں۔میں شہزادیوں کی طرح رہنا سیکھنا چاہتی ہوں۔''

راجہ مراد ہلکا سا مسکرایا۔ایک ہاتھ سے تالیہ کا کندھا ذرا دبایا اور آگے بڑھ گیا۔تالیہ کی بھنچی مٹھی سے اس کی کہنی پھسل گئی۔مٹھی خالی رہ گئی۔اور دور اسی نکتے پہ جمی نظریں ویسے ہی خالی تھیں۔

☆......☆......☆

قدیم کتب خانے میں نیم اندھیرا پھیلا تھا۔کونے میں زمین پہ دوزانو بیٹھا ایڈم ایک چوکی پہ کاغذ پھیلائے' سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے لکھ رہا تھا۔چراغ چوکی پہ رکھا تھا اور اس کی پھڑ پھڑاتی زرد روشنی صفحات کو روشن کیے ہوئے تھی۔

(میرا نام ایڈم بن محمد ہے اور میں ہمیشہ سے ایک مستقبل کے خوف کا شکار انسان رہا ہوں۔) وہ قدیم جاوی رسم الخط میں لکھ رہا تھا....

(میں اپنے اتوار' سوموار کے آنے کے خوف میں ضائع کر دینے والا انسان ہوں۔ میں ہمیشہ کل کیا ہوگا اور میں یہ کیسے کروں گا سوچنے والا انسان ہوں۔)

ابوالخیر کی حویلی کی رسوئی میں کھڑا بوڑھا باورچی سیخوں پہ گوشت کے ٹکڑے پرو رہا تھا' اور ساتھ کھڑے فاتح کو سمجھا رہا تھا۔ وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے' غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہا تھا۔

(مستقبل کے خوف کے ساتھ ناکامی کا خوف بھی میرے اوپر ہمیشہ طاری رہا ہے۔ میں زندگی کا ہر باب شروع کرنے سے قبل یہ سوچتا ہوں کہ کیا کروں جو ہار سے بچ جاؤں؟)

محل کے برآمدے میں اتالیق چند خادموں کے ہمراہ کھڑا تھا' اور انگلیوں پہ لمحے شمار کر رہا تھا۔ جبکہ تالیہ سر پہ سیبوں کا تھال رکھے' آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ سیدھی لکیر میں۔ چند قدم اٹھائے ہی تھے کہ توازن بگڑا۔ سارے سیب نیچے آگرے۔

(مگر وان فاتح کہتے ہیں کہ زندگی ان پہ مہربان ہوتی ہے جو یہ سوچ کے نئے باب شروع کرتے ہیں کہ ہمیں جیتنا کیسے ہے؟)

فاتح چولہے پہ چڑھے برتن میں بوتل سے مائع انڈیل رہا تھا.... آگ نے مائع کو چھوا' اور شعلہ سا بھڑکا۔ اس کے ہاتھ کو آگ کی لپٹ نے چھوا اور وہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹا.... جلن کا شدید احساس....

(میں ان ساری کتابی باتوں کو مانتا ہوں کہ ہاں' ہمیں ہمیشہ مثبت ہی سوچنا چاہیے وغیرہ وغیرہ مگر میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ مثبت سوچنے کا آغاز کیسے کیا جائے۔)

چھوٹی میز کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ درمیان میں بڑے پیالے میں پانی رکھا تھا۔ اتالیق غور سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ بار بار پانی میں ہاتھ مارتی تھی۔ پانی اچھل کے باہر آگرتا۔ وہ بے بسی سے اس کو دیکھتی اور کندھے اچکاتی۔ (اس کا کیا فائدہ' استاد؟)

(میں بھی فاتح صاحب جیسا مثبت آدمی بننا چاہتا ہوں مگر میں کہاں سے شروع کروں؟)

فاتح جلے ہاتھ کے ساتھ گوندھے میدے کو بیل رہا تھا۔ روٹی بار بار ٹوٹ جاتی۔ وہ ضبط کر کے پھر سے شروع کرتا۔ پھر ایک دم اس نے روٹی اکٹھی کر کے مٹھی میں بھینچی اور دیوار پہ دے ماری۔ پھر دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ چند لمحے گزرے اور اس نے گہری سانسیں لے کر خود کو نارمل کیا اور دوبارہ سے پیڑے نکالنے لگا۔

(اور اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ پہلے میں اپنے اندر کے منفی پن کو نکالنے کی سعی کروں؟ مجھے سب سے پہلے کون سی چیز منفی ردعمل کی طرف دھکیلتی ہے؟ لوگوں کی باتیں۔ غصہ دلاتی' خوف دلاتی باتیں۔)

وہ مسہری پہ بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ریشمی کپڑا تھا جس پہ سوئی سے وہ کچھ کاڑھ رہی تھی۔ اتالیق اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا' کمر پہ ہاتھ باندھے' جھک کے ٹانکا دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا تو تالیہ نے غصے سے کپڑا گول مول کر کے واپس پھینک دیا۔ اتالیق آگے بڑھا' جھک کے کپڑا اٹھایا اور ادب سے واپس شہزادی کو لا دیا۔ تالیہ نے روہانسی ہو کے اسے دیکھا اور تھام لیا۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جلد باز بنایا گیا ہے۔ یعنی جلد ردعمل دے دینے والا۔ اس کا مطلب ہے ہم انسانوں کو اپنے اندر فیڈ اس پروگرام کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں ذرا ذرا سی بات پہ ردعمل دینے سے خود کو روکنا ہوگا۔)

وہ رسوئی میں کھڑا تھا۔ اور سامنے ڈھیروں پیالیاں رکھی تھیں۔ وہ چائے دان کو ہوا میں کئی فٹ بلند کیے' پیالیوں میں چائے انڈیل رہا تھا۔ قہوے کی دھار سی نیچے آتی اور ایک ایک کپ کو بھرنے لگتی۔ جہاں اس کا ہاتھ ڈھیلا ہوتا اور قہوہ باہر چھلکتا' وہیں ایک ہٹا کٹا پہریدار زور سے چھڑی اس کی کمر پہ مارتا۔ وہ ضبط سے لمحے بھر کو آنکھیں میچتا' پھر دوبارہ سے گہری سانس لے کر چائے انڈیلتا....

(میں نے یہ سیکھا ہے کہ جب تک میں ہر ایک کی ہر بات کو دل سے لگاتا رہوں گا' تب تک میں اذیت میں رہوں گا۔ کسی دوسرے انسان کو صرف الفاظ سے میرا سکون چھیننے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔)

وہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھی تھی اور ہاتھوں میں ستار اٹھا رکھا تھا۔ اس کی مختلف تاروں کو چھیڑتی وہ اسے بجانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اتالیق کھڑا افسوس سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ دانت کچکچا کے مزید تیز تیز انگلیاں تاروں پہ رگڑنے لگی۔ انگلیوں کے پوروں سے خون نکلنے لگا۔

(اصل طاقت تو ٹھنڈے رہنے میں ہے۔ اصل طاقت ور لوگ وہی ہیں جو لوگوں کی ہر رائے پہ یقین نہیں کر لیتے بلکہ اکثر باتوں کو درگزر کر جاتے ہیں اور ان کو بے جا سوچتے نہیں رہتے۔)

دو چولہوں پہ کڑاہیاں رکھی تھیں۔ وہ بیک وقت تیزی سے دونوں ہاتھوں سے ان میں چیزیں الٹ رہا تھا۔ پھر کڑاہی کے ہینڈل کو پکڑ کے اٹھا کے سبزیوں کو الٹا پلٹا۔ انداز میں مہارت اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ دور بیٹھے بوڑھے باورچی نے محض نظر اٹھا کے اسے دیکھا' اور مسکرا کے جھک کے اپنا کام کرنے لگا۔

(اگر دوسروں کے مونہوں سے نکلے الفاظ ہمیں کنٹرول کرنے لگ جائیں تو اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہم نے اپنی پوری ذات کا کنٹرول دوسروں کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ نہیں۔ اگر مجھے مثبت انسان بننا ہے تو مجھے پہلے قدم کے طور پہ اپنے ''موڈ'' کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں واپس لینا ہوگا۔)

وہ سر پہ ایک کتاب کے اوپر سیب رکھے' سفید چاک کی کھینچی لائن پہ سیدھ میں چل رہی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اب پیر نہیں رپٹ رہا تھا۔ وہ بالکل سیدھی چل رہی تھی۔

(میں بطور انسان کے اکیلا ہی اس دنیا میں آیا تھا اور اکیلا ہی جاؤں گا۔ میرے دوست اور میرے گھر والے بھی ہر وقت میری پسند کی بات نہیں کہہ سکتے۔ میں دن میں بہت دفعہ بہت سی باتوں پہ دکھی ہوں گا' اور اس دکھ سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟)

ابوالخیر کی طویل ڈائننگ ٹیبل بجی تھی۔ اوپر فانوس جل رہا تھا۔ سربراہی کرسی پہ ابوالخیر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ کھڑا 'غلام' چائے دان سے اس کی ننھی پیالی میں سرعت سے قہوہ انڈیل رہا تھا۔ دھار برابر تھی۔ ایک قطرہ بھی باہر نہیں چھلکا تھا۔

(مثبت سوچ! مجھے یہ مثبت سوچ رکھنی ہے کہ جو بری بات یہ شخص میرے بارے میں منہ سے نکال رہا ہے' یہ اس کی رائے ہے اور جیسے اس کی زندگی کے بارے میں بہت سی دوسری آراء غلط ہو سکتی ہیں' ویسے ہی یہ بھی غلط ہے۔)

تالیہ اور اتالیق لکڑی کی میز کے دونوں سروں پہ بیٹھے تھے۔ اس نے زور سے پانی کے پیالے پہ ہاتھ مارا۔ پانی چھلکا۔ اتالیق نے دوبارہ کرنے کو کہا۔ اس نے دوبارہ سیدھا ہاتھ مارا مگر اتالیق نے جلدی سے پیالہ ہٹا لیا۔ اس کا ہاتھ میز پہ پوری قوت سے لگا۔ لکڑی کی میز تڑاخ سے تین ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ تالیہ کی آنکھیں حیرت اور استعجاب سے پھیل گئیں۔

(اور کسی کی غلط آراء کے پیچھے صرف بے وقوف لوگ اپنا موڈ خراب کرتے ہیں۔)

اس کے سامنے tapestry رکھی تھی اور وہ کھڑے کھڑے اس پہ مہارت سے سوئی سے ٹانکے کاڑھے جا رہی تھی۔ ایک پورٹریٹ سا نقش ہو رہا تھا۔ وہ مسکرا کے رفتار تیز کیے گئی۔

(میں یہ نہیں جانتا کہ کس طرح مجھے وان فاتح کی طرح ہمیشہ جیت کا سوچنا ہے' یا مستقبل کے خوف سے نکل آنا ہے۔ میں واقعی نہیں جانتا مگر میرے خیال میں' زندگی کو جتنا اب تک میں سمجھا ہوں' اگر میں مثبت انسان بننا چاہتا ہوں تو مجھے سب سے پہلے اپنے موڈ' اپنی مسکراہٹوں اور اپنے آنسوؤں کا اختیار دوسروں کی زبانوں سے واپس لینا ہوگا۔)

وہ سلائیوں کو ہاتھ میں پکڑے' باغیچے میں کرسی پہ بیٹھی' تیزی سے اون کے دھاگے کو بنے جا رہی تھی۔ الٹا' سیدھا' اون کے گھر' ہر شے اس کی انگلیوں پہ بہت آسان ہوتی جا رہی تھی۔

(جب تک میں ہر آدمی کی رائے پہ دکھی ہوتا رہوں گا یا جواب میں اس پہ غصہ کرتا رہوں گا' میں بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔)

وہ چمٹے کی مدد سے بھنی ہوئی بوٹیاں اٹھا اٹھا کے طشتری میں رکھ رہا تھا۔ سارے باورچی خانے میں باربی کیو کا دھواں اور مہک پھیلی تھی۔ باورچی نے کلیجی کے ایک ٹکڑے کو منہ میں رکھا تو اس کے تاثرات خوشگوار ہو گئے لیکن پھر چہرہ سنجیدہ بنائے آگے بڑھ گیا۔

(میں یہ بھی نہیں جانتا کہ بڑا آدمی کون ہوتا ہے مگر اتنا ضرور معلوم ہے مجھے کہ سارے بڑے آدمی مثبت سوچ والے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ایک بات مجھے اچھے سے معلوم ہو گئی ہے۔)

اتالیق کتاب اٹھائے اس سے کچھ پوچھ رہا تھا اور وہ سامنے کرسی پہ مودب بیٹھی' کتاب کو دیکھے بغیر مسکرا کے لفظ بہ لفظ سب

سنائے جا رہی تھی۔

(انسان کو چھوٹا اس کی سوچ بناتی ہے۔ بڑی سوچ' اچھی سوچ اسے آزاد کرتی ہے۔)

وہ چھرا ہاتھ میں لئے لکڑی کے تختے پہ کٹ کھٹ سرخ ہری سبزیاں کاٹ رہا تھا۔

(اگر میں اپنی سوچ کو آزاد کرنا سیکھ جاؤں' اور میں اپنے ہر قسم کے خوف سے خود کو نکال لوں' تو میں اتنا ہی ٹھنڈا اور آزاد انسان بن جاؤں گا جتنا فاتح صاحب ہیں۔ جتنے سارے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں میں ابھی سارے گُر نہیں سیکھ پایا لیکن تھوڑی بہت زندگی کی حقیقت مجھے معلوم ہونے لگی ہے۔)

تالیہ تیر کمان کو تانے فضا میں نشانہ باندھے' زور سے کمان کھینچ رہی تھی۔ تیر فضا میں اڑتا ہوا سیدھا ایک پرندے کے اندر پیوست ہو گیا۔ اس نے مسکرا کے کمان نیچے کی۔ پرندہ گھائل ہو کے سیدھا نیچے آن گرا۔

(اور جو ہمیں معلوم ہوتا ہے' وہ ہماری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا)

ایڈم نے سیاہی میں ڈوبا قلم پرے رکھا اور اداس مسکراہٹ سے کاغذ اٹھا کے دیکھا۔ اس پہ سیاہی ابھی گیلی تھی۔ اس نے کاغذ کا کنارہ چراغ کے شعلے پہ سلگایا۔ آگ نے کاغذ کو پکڑ لیا اور وہ پھیلنے لگی۔ وہ اپنے الفاظ کو جلتے ہوئے دیکھنے لگا۔

چند ہی لمحوں میں اس کے الفاظ راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

قدیم ملے میں لکھے خوبصورت' پختہ الفاظ۔

☆......☆......☆

(چار ہفتے بعد)

اس صبح سورج نکلتے ہی بادل ایسے چھائے کہ آسمان پھر سے سیاہ پڑنے لگا۔ سارے پہ چھا تا سی تن گئی اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ محل کے کتب خانے کی کھڑکی کے ساتھ کرسی میز پہ بیٹھے ایڈم نے کتاب سے سر اٹھا کے کھڑکی کے شیشے سے ٹڑ ٹڑ ٹکراتی بوندوں کو دیکھا اور پھر چہرہ موڑا۔ مناسب خوراک اور صاف لباس کے باعث وہ نارمل لگ رہا تھا۔

''کیا میں اب شہزادی تاشہ سے مل سکتا ہوں؟ چار ہفتے سے میں قید ہوں اور شہزادی اول روز کے بعد دوبارہ مجھ سے نہیں ملیں۔'' انداز شکایتی تھا مگر لہجہ صاف تھا۔

پیچھے کھڑے پہریدار سپاہی نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

''شہزادی آج کل اتالیق کے ساتھ مصروف ہوتی ہیں۔ اور وہ ہر وقت قیدیوں سے ملاقات نہیں کرتیں۔ اس لئے اپنے کام سے کام رکھو۔''

ایڈم نے گہری سانس لے کر چہرہ واپس کتاب پہ جھکا دیا۔اس کے ساتھ کے دونوں قیدیوں کوشہزادی کے فرمان کے مطابق رہا کر دیا گیا تھا۔ایک وہ ہی رہ گیا تھا۔مگراس دوران وہ قدیم ملے بول' سمجھ اور لکھ لیتا تھا۔وہ جدید ملے سے بہت زیادہ مختلف نہ تھی۔پھر بہت سی کتابیں یہاں دستیاب تھیں اور کتابیں پڑھنے میں وہ ہمیشہ سے اچھا رہا تھا۔

کتب خانے سے دور محل کے ایک اونچے مینار میں بنی کھڑکی شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں کھلتی دکھائی دے رہی تھی۔اس کھڑکی پہ بھی بوندیں تڑاتڑ برسے جا رہی تھیں۔

اندر پلنگ پہ ٹیک لگائے تالیہ بیٹھی تھی۔ریشمی لحاف سینے تک ڈالے' وہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔بال کھلے تھے اور ہاتھوں میں کوئی کتاب پکڑ رکھی تھی۔بار بار جمائی روکتی تھی۔قریب شریفہ ہاتھ باندھے کھڑی بتا رہی تھی۔

''سلطان مرسل کو پیغام بھجوایا تھا کہ آپ ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔پچھلے چار ہفتوں میں کئی بار پیغام پہنچا چکے ہیں ہم مگر ملکہ یان سوفو منع کروا دیتی ہیں۔آپ اپنے بابا سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ سلطان سے آپ کی ملاقات کروا دیں۔'' (یان سوفو کی سلطان سے شادی ہو چکی تھی اور اب وہ ملکہ بن کے سلطنت محل میں منتقل ہو چکی تھی۔تالیہ شادی پہ نہیں گئی تھی۔ابھی وہ اتنے سارے لوگوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔)

''رہنے دو۔'' کتاب پڑھتے پڑھتے تالیہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔''بابا کو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ کافی دن سے سلطان سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ملکہ اس کے قاصد کو سلطان تک پہنچنے سے قبل ہی واپس موڑ دیتی تھی۔

''آپ اتالیق کے ساتھ چند گھنٹے گزارنے کے سوا سارا دن اس کمرے میں پڑی رہتی ہیں۔آپ بیمار تو نہیں ہیں شہزادی؟ میں اس لئے پوچھ رہی ہوں کیونکہ اتنے پر تعیش کمرے اور ہر طرح کی اچھی خوراک کے باوجود بھی آپ اداس نظر آتی ہیں۔''

تالیہ نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔(کیونکہ یہاں زندگی بہت آسان ہے۔یہ دنیا بہت مختلف ہے۔یہاں کھانے کو بہت کچھ ہے۔تلے ہوئے' بھنے ہوئے گوشت سے بھرپور کھانے۔اتنی کیلوریز۔اور پھر یہاں میں میلوں جاگنگ نہیں کر سکتی۔یہاں جم نہیں ہے۔یہاں پارٹیز نہیں ہیں۔یہاں سوئمنگ نہیں کی جا سکتی۔صرف ایک چیز ہے۔ٹارگٹ۔راجہ کی دسترس سے وہ چابی چرانی ہے مجھے۔سارے پلان اسی کے گرد گھومتے ہیں۔)

سوچتی رہی مگر بولی کچھ نہیں۔پھر احساس ہوا شریفہ کچھ کہہ رہی ہے وہ چونکی۔''کیا؟''

''آپ کو ابوالخیر کی حویلی میں دلچسپی تھی نا شہزادی۔آج شام ابوالخیر نے راجہ مراد کو اپنے ہاں دعوت پہ مدعو کیا ہے۔سلطان مرسل اور ملکہ بھی وہاں ہوں گے۔''

''اچھا۔واقعی۔'' وہ کتاب پرے پھینک کے ایک دم سیدھی ہوئی۔

(''کھانے کی دعوت ہے؟ جانے کھانا کون بنا رہا ہوگا۔'') دل اس خیال پہ زور سے دھڑکا۔ چہرہ تمتما اٹھا۔''تم میرا بہترین لباس اور زیور تیار کرو۔''

''آپ....آپ بھی جائیں گی دعوت میں؟''

''تاشہ کو کوئی روک کے دکھا سکتا ہے کیا؟!'' وہ شریفہ کو دیکھ کے مسکرائی تھی۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی کے احاطے میں بنی جیل شام ڈھلتے ہی بھرنے لگی تھی۔ قیدی غلاموں کو واپس لا کے اس میں بھرا جا رہا تھا۔ سارے دن کی مشقت کے بعد تھکے ہارے قیدی اندر آ کے نڈھال سے ادھر ادھر لڑھکنے لگے تھے۔

ایسے میں صرف وہی غلام باہر تھے جو احاطے کے دوسرے کاموں پہ مامور تھے یا جن کو حویلی کے اندر خدمت پہ رکھ لیا گیا تھا' جیسے فاتح رامزل جو باورچی خانے میں کام کر رہا تھا۔

وہ سر جھکائے کھڑا مچھلی کے قتلے بناتا نظر آتا تھا۔ ماتھے پہ مقامی لوگوں کی طرح پٹی باندھ رکھی تھی۔ سرمئی پاجامے کے اوپر کرتے کی آستینیں کہنیوں تک موڑ رکھی تھیں۔ رنگت کافی جھلس گئی تھی۔ پہلے سے کمزور بھی لگ رہا تھا گو کہ اسے اچھی غذا ملتی تھی مگر وہ جو بہت مناسب ڈائٹ فوڈ کھانے کا عادی تھا' اسے یہ غذا اب کہیں جا کے بمشکل سوٹ کی تھی' ورنہ شروع شروع میں اکثر معدہ الٹنے کو آ جاتا تھا۔ مگر وہ تحمل سے برداشت کر لیتا تھا۔

ایک ساتھی باورچی ساتھ آ کے کھڑا ہوا اور چولہے پہ چڑھے پتیلے کا ڈھکن اتار کے دیکھنے لگا تو فاتح نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔''کون آ رہا ہے جس کے لئے اتنا اہتمام کیا جا رہا ہے؟'' وہ اب قدیم ملے کے چند الفاظ بول اور سمجھ لیتا تھا۔ ایڈم جیسی شستہ گفتگو تو نہیں کر سکتا تھا' مگر اشاروں اور چند الفاظ سے بات سمجھا لیتا تھا۔

''سلطان مرسل....ملکہ یان سوفو....بنداہارا راجہ مراد....'' دوسرا باورچی مہمانوں کے نام گنواتا گیا۔

فاتح کے سبزی کاٹتے ہاتھ دھیمے پڑے۔

''کیا بنداہارا کے ساتھ کوئی اور نہیں آئے گا؟'' سر جھکائے سرسری سا پوچھا۔

''مثلاً کون؟'' وہ دیگچے میں ڈوئی ہلا رہا تھا۔

''ملکہ ایک خاتون ہیں اور ابوالخیر کے گھر میں کوئی خاتون نہیں رہتی تو کیا ملکہ تنہا بیٹھیں گی؟ کس سے باتیں کریں گی؟'' مزید سرسری سا پوچھا۔

''وہ تنہا کیوں ہوں گی۔ ان کے سب سے معزز قرابت دار کو جو مدعو کر رکھا ہے ابوالخیر نے۔''

''کون؟'' وہ چونکا۔غلام نے ڈھکن واپس رکھا اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

''وہ جس کو ابوالخیر ہر چند دن بعد حویلی میں بلا لیتے ہیں۔ جو رات گئے تک یہاں بیٹھا ملکی امور پہ گفتگو کرتا ہے اور شطرنج کھیلتا ہے .... سن باؤ تائی ژیان۔ (تین نگینوں والا غلام۔)''

فاتح نے اتنی تیزی سے گاجر کا ٹکڑا کاٹا کہ چھٹنے کی زوردار آواز آئی۔ فوراً سے چہرہ اٹھایا تو اس پہ مختلف رنگ تھے۔ جیسے وہ شاک میں ہو۔

''سن باؤ۔ (تین خزینے) تائی ژیان (غلام)؟'' باورچی کو دیکھ کے دہرایا۔ ''یعنی چینی بادشاہ کا تائی ژیان (مخنث غلام) جو ملکہ یان سوفو کے ساتھ چین سے آیا تھا۔ کیا نام ہے اس کا؟''

''وانگ لی۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

فاتح کا چہرہ یوں تھا گویا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ پھر وہ جبراً مسکرایا۔ ''مجھے اس کو دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ کیا آج میں برتن لگا سکتا ہوں؟''

باورچی نے چونک کے اسے دیکھا' پھر فوراً دور کھڑے بوڑھے نگران کو۔ اس کا چہرہ جیسے دمک اٹھا تھا۔ ''ہاں کیوں نہیں۔ تم سب سیکھ تو چکے ہو۔ میں تمہارے کمرے میں آج آرام کر لوں گا۔ تم نگران کو کہنا میری طبیعت خراب ہے۔''

''فکر نہ کرو۔ میں تمہاری جگہ سنبھال لوں گا۔'' وہ بدقت مسکرایا۔

''تو پھر یہ شوربہ تم ہی اندر لے جاؤ۔ وانگ لی کب کا آیا بیٹھا ہے۔ ابھی دوسرے مہمان نہیں آئے۔'' دیگچے کی طرف اشارہ کر کے وہ غلام خوشی خوشی پیچھے ہٹ گیا۔ فاتح نے دور دوسرے ملازموں کے سر پہ کھڑے نگرانی کرتے بوڑھے کو دیکھا اور گہری سانس لی۔ چند منٹ اس کو راضی کرنے میں بھی لگنے تھے۔

جس لمحے وہ لکڑی کی طشتری میں چاندی کے پیالے میں شوربہ رکھے باورچی خانے سے نکلا تو سامنے طویل راہداری نظر آ رہی تھی ۔وان فاتح قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔

(یہ سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ ہے۔ سن باؤ....یعنی تین خزانے یا نگینے۔ بدھ مت کے تین نگینے ہوتے ہیں (تین عقائد)۔ بدھا۔ دھرما۔ سنگھا۔)

وہ طشتری اٹھائے راہداری میں آگے چلتا جا رہا تھا۔ بار بار لب کاٹتا۔ سر جھٹکتا۔

(وانگ لی ایک چینی غلام تھا۔ پندرہویں صدی میں وہ اپنی ذہانت اور صلاحیت کے بل بوتے پہ کم عمری میں ہی محل میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔)

اس نے راہداری کا موڑ مڑا اور بڑے سے دیوان خانے میں داخل ہوا۔ وہاں ایک کونے میں شطرنج کی بساط ہوئی میز پہ بچھی تھی اور اس کے گرد دو کرسیوں پہ آمنے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ابوالخیر اور.....اور وانگ لی۔

(پھر وہ چینی بادشاہ کا خاص سفیر مقرر ہوتا ہے اور ایک بہت بڑا تاجر بن جاتا ہے۔)

فاتح ان کے قریب آیا اور ادب سے طشتری سے پیالہ نکال کے ابوالخیر کے سامنے رکھا۔

ابوالخیر مہندی رنگ لمبے بالوں والا آدمی تھا۔ جیسے ببر شیر کے بال اس کے چہرے کے دائیں بائیں پڑے ہوتے ہیں۔ اس کی ایک آنکھ تیر لگنے سے ضائع ہو چکی تھی مگر وہ اس کے اوپر کسی قسم کا patch نہیں پہنتا تھا۔ بدہیئت' مجروح' کانی آنکھ جو پھولے انگور کی طرح تھی' اسی طرح سب کو نظر آتی رہتی اور طبیعت عجیب کر دیتی۔ غلام دبے الفاظ میں اس کو 'کانا دجال' بھی کہتے تھے۔

(یہ گھر وانگ لی نے بنوایا تھا۔ میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ یہاں آیا تھا۔ تب کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ وانگ لی کا گھر ہے۔)

پھر وہ ترچھا ہوا اور دوسرا پیالہ وانگ لی کے سامنے رکھا اور پھر....نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

(میں بابا کے ساتھ سامنے کسی دکان پہ بیٹھا تھا' پھر ادھر آ گیا۔ یہ مجسمہ....تب یہ ٹوٹا پھوٹا سا تھا۔ عصرہ نے بعد میں اس کو ٹھیک کروایا۔ یہ مجسمہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔)

وہ فربہ سا' لمبے سید ھے سیاہ بالوں والا ایک ادھیڑ عمر چینی شخص تھا۔ پیروں تک آتا چغہ پہن رکھا تھا اور تھوڑی تلے ہتھیلی رکھے سوچ میں ڈوبا شطرنج کی بساط کو دیکھ رہا تھا۔ سارے بال پتلی پتلی مینڈھیوں میں بندھے تھے۔ سر پہ چینی طرز کی ٹوپی تھی۔ پھولے گال اور چھوٹی آنکھیں۔ اور چہرے کی وہ سادگی۔ ہو بہو مجسمے سا۔

(عجیب کشش تھی اس مجسمے میں۔ اب بھی ہے۔ مانوسیت۔ اپنائیت....جیسے کوئی دوست ہوتا ہے نا۔)

وانگ لی نے یکدم نظر اٹھا کے اس غلام کو دیکھا' اور ہلکا سا مسکرایا' پھر شوربے کا پیالہ اپنے آگے کرتے ہوئے دوبارہ توجہ شطرنج کی طرف مبذول کر لی۔

''تمہاری چال کا توڑ سوچ رہا ہوں' ابوالخیر۔ کیوں نا یہ پینے تک ہم کھیل کو روک دیں۔'' شوربے (سوپ) کو چمچ میں بھرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ انداز میں ایک خوش مزاجی اور زندہ دلی تھی۔ جیسے وہ بات بہ بات ہنس دینے کا عادی ہو۔

(کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟)

''میری چال کا توڑ کرنا اتنا آسان نہیں ہے' وانگ لی۔ میں وہاں سے آتا ہوں جہاں سے دوسروں کے فرشتوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔''

وان فاتح خالی طشتری اٹھائے پلٹ گیا۔ اب وہ قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

(کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟) سکندر نے اس کو روک کے پوچھا تھا۔

(شہزادی تاشہ نے۔)اس نے جواب دیا تھا۔

وہ اب واپس راہداری میں جا رہا تھا۔ باورچی خانہ چند گز کے فاصلے پہ تھا۔

(پھر تاشہ کا کیا ہوا؟)

(معلوم نہیں....کہتے ہیں اس کی کہانی کا انجام دکھی تھا۔مگر وہ اکثر سن باؤ کے گھر آیا کرتی تھی۔اسی نے یہ مجسمہ بنایا تھا۔کہتے ہیں سن باؤ سے اس کی دوستی تھی۔یا معلوم نہیں کیا تھا جو وہ اس گھر میں اکثر آتی تھی۔)

باورچی خانے میں واپس آ کے وان فاتح نے طشتری (ٹرے) میز پہ دھری اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

وقت بھی کیا عجیب چیز ہے۔اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔یہ کب کسی کو کہاں لے جائے' کیا سے کیا بنا دے۔

☆......☆......☆

شام مزید گہری ہوئی اور مغرب اتر آئی تو رات کے کھانے کا وقت ہو چلا۔ملاکہ میں لوگ سرِ شام ہی کھانا کھا کے سو جاتے تھے۔پھر علی الصبح فجر کی پہلی اذان کے ساتھ اٹھتے اور کاموں میں جت جاتے۔

ابوالخیر کے دیوان خانے میں آدھ درجن فانوس جگمگا رہے تھے۔طویل ڈائننگ ٹیبل پہ جگہ جگہ کینڈل برار کھے تھے جن میں لمبی کھڑی موم بتیاں سارے کو روشن کر رہی تھیں۔خوبصورت دیوان خانے میں وہ زرد روشنی خوابناک سا ماحول بنائے ہوئے تھی۔

سربراہی کرسی پہ سلطان مرسل بیٹھا تھا' جو بہت مرغوبیت سے بھنے ہرن کا گوشت کھا رہا تھا۔سر پہ قیمتی پتھروں سے مزین ٹوپی اور نیچے سرخ زرتار چغہ پہنا تھا۔وہ بمشکل چوبیس پچیس برس کا خوش شکل اور لاابالی سا نوجوان لگتا تھا۔لمبے بال چوٹی میں بندھے تھے۔

اس کے دائیں ہاتھ ملکہ یان سوفو بیٹھی تھی۔لاپرواہ شوہر کی نسبت وہ سلجھے ہوئے انداز میں کھانا تناول کر رہی تھی' اور بار بار چھوٹی آنکھوں سے اطراف کا جائزہ بھی لیتی تھی۔سن باؤ وانگ لی ملکہ کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اور وہ کھانا کھاتے ہوئے عادتاً مسکرا کے ذائقے کی تعریف بھی کر رہا تھا۔

سلطان کے بائیں ہاتھ موجود ابوالخیر بس خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا' البتہ وہ کچھ بے چین تھا۔بار بار اپنے ساتھ بیٹھے مراد کو دیکھتا جو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی تسلی دے دیتا۔وہ سب سے زیادہ مطمئن' پرسکون اور پراعتماد تھا۔جیسے وہاں موجود ہر شخص کی سوچ سے واقف ہو۔جب ابوالخیر کی نگاہوں کا اصرار بڑھتا گیا تو مراد نے مسکرا کے مرسل شاہ کو مخاطب کیا۔

''آقا....جیسا کے میں نے ذکر کیا تھا محل کو اس وقت ایک نئے خزانچی کی ضرورت ہے۔ایک قابل وزیرِ خزانہ۔جو محل میں سارے ملک سے آئے گئے خراج اور محصول (ٹیکس) کا حساب رکھ سکے اور اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اچھے سے خرچ کر سکے۔میں اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں تو کرونا۔'' دونوں کہنیاں میز پہ جمائے مرسل نے خوش دلی سے کہا' اور پھر دانتوں سے ہرن کی بوٹی توڑی۔ ذائقہ منہ میں گھلا تو اس نے جیسے سر دھنا۔ ''ابوالخیر تم اتنا اچھا ہرن بنا سکتے ہو۔ تمہیں تو ہمارے شاہی باورچی خانے میں ہونا چاہیے۔ ایسا ہرن تو میری ماں بھی نہیں بنا سکتی۔'' ساتھ ہی وہ ہنسا۔

کوئی بھی جواباً نہ ہنسا۔ ملکہ نے آنکھیں میچ کے جیسے ضبط کیا اور ابوالخیر نے ایک شاکی نظر مراد پہ ڈالی۔ مراد نے جواباً پلکیں جھپکا کے اشارہ کیا۔ (دھیرج۔ صبر۔ ٹھنڈا کر کے کھاؤ۔) ابوالخیر نے سر جھٹکا اور مسکرا کے بولا۔ ''آقا کو پسند آیا' میری خوش نصیبی ہے۔''

وانگ لی نے محض ایک افسردہ نظر مرغوبیت سے کھانا کھاتے سلطان پہ ڈالی۔ اسے جیسے ملاکہ کی قسمت پہ افسوس ہوا تھا۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو ابوالخیر نے نظر اٹھائی۔ نیا غلام صراحی اندر لا رہا تھا۔ ابوالخیر نے سر کے خم سے اسے تائیدی اشارہ کیا تو فاتح اندر آیا' رواج کے مطابق جھک کے سلطان کو سلام کیا۔ باقی سب کھانے میں اور اپنی سوچ میں گم تھے' اور سلطان کھانے میں۔ ایسے میں صرف وانگ لی نے محسوس کیا' کہ اس توانا' وجیہہ مرد غلام نے سلطان کے سامنے سر جھکاتے ہوئے بھی گردن پوری نہیں جھکائی' اور اپنی آنکھیں مسلسل اٹھائے اس نے گہری نظروں سے سلطان کو بغور دیکھا تھا۔ پھر سیدھا کھڑا ہوا' نظریں جھکا دیں اور صراحی سے سلطان کی پیالی میں قہوہ انڈیلنے لگا۔

وانگ لی یونہی اس کو دیکھنے لگا۔ قہوے کی دھار پیالی میں گر رہی تھی۔ فاتح کی نظریں جھکی تھیں۔ ایک دم اس نے نظریں اٹھائیں اور وانگ لی کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔

غلام کی نظروں میں ایسی چمک تھی.... ایسا ٹھنڈا آدمی لگا تھا وہ اس کو کہ وانگ لی نظر نہ جھکا سکا۔ پھر فاتح نے نظریں جھکا دیں اور اپنا کام کرنے لگا۔

یکدم دروازے پہ ہلچل مچی۔ ابوالخیر چونک کے اٹھا.... سلطان نے بھی چہرہ اٹھایا۔

''کیا کوئی اور بھی مدعو ہے' ابوالخیر۔'' مرسل شاہ کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ باہر سے تیزی سے خادم اندر داخل ہوا اور ہاتھ باندھ کے سر جھکا کے اطلاع دی۔

''شہزادی تاشہ بنتِ مراد تشریف لائی ہیں۔''

میز پہ بیٹھے سب افراد چونکے تھے۔ اور سر جھکائے قہوہ انڈیلتا فاتح ہلکا سا مسکرایا تھا۔

One a socialite , always a socialite!)

وہ یقیناً پارٹیز کو مس کرتی ہے)

ابوالخیر نے فوراً اثبات میں سر کو جنبش دی۔ پہریداروں نے دیوان خانے کے دروازے کھولے۔ چوکھٹ پہ وہ کھڑی تھی۔

وہ دو پیالوں میں قہوہ انڈیل چکا تھا۔ صراحی سیدھی کر کے نظریں اٹھائیں تو وہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔

سنہرے بال گھنگریالے کر کے آگے ڈالے تھے۔ سر پہ حجاب کے نام پہ ریشمی سبز کپڑا تھا جو برائے نام تاج تلے اٹکا تھا اور پیچھے کمر پہ گرتا تھا۔ وہ پاؤں تک آتی لمبی کامدار میکسی پہنے ہوئے تھی۔ گھاس جیسے سبز رنگ کی میکسی اور موٹے موٹے زمرد سے جڑے زیورات۔ ایسا خوبصورت سبز رنگ کہ چہرہ دور سے دمکتا دکھائی دیتا تھا۔

اس نے قہوہ ڈالتے غلام کو ایک نظر بھی نہ دیکھا۔ بس خوبصورت آنکھیں سلطان پہ جمائے رکھیں۔

''دیر سے آنے کے لئے معذرت چاہتی ہوں' آقا۔ آج طبیعت ذرا سست تھی۔ تیاری میں وقت لگا۔'' سامنے آ کے پوری جھکی اور سیدھی ہوئی۔

سلطان مرسل نے پرندے کی بوٹی دانت سے توڑتے نظریں اٹھائیں تو ٹھٹھک گیا۔ وہ سجی سنوری لڑکی اب باقی سب کو باری باری تعظیم پیش کر رہی تھی۔ مرسل شاہ کی نظر اس سے ہٹنا بھول گئی۔

ملاکہ میں سنہرے بالوں والی عورت اس نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ وہ بھی اتنی حسین۔

''آپ کی آمد ہمارے لئے فخر کا باعث ہے شاہزادی۔'' ابوالخیر اٹھا اور سر کو تعظیم سے جھکایا۔ خادم نے سلطان کی سیدھ میں پڑی' میز کی دوسری سربراہی کرسی اس کے لئے کھینچی۔ وہ مسکرا کے لباس پھول کی طرح گرد پھیلاتی اس پہ بیٹھی تو سلطان ہنوز اسے تک رہا تھا۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ بھی مدعو ہیں' شہزادی!'' ملکہ بظاہر مسکرا کے بولی تو راجہ مراد ہلکا سا کھنکھارا۔

''ابوالخیر نے بمع اہل و عیال مدعو کیا تھا' اور تاشہ ہی میرا پورا خاندان ہے۔'' کہہ کے وہ گھونٹ گھونٹ قہوہ پینے لگا۔

''آپ کی بہن کے بارے میں سن کے افسوس ہوا۔'' سلطان مرسل نے زبان کھولی۔ پھر مدد طلب نظروں سے بائیں ہاتھ بیٹھی بیوی کو دیکھا۔ ''تالیہ'' اس نے سرگوشی کی۔ سلطان نے فقرہ دہرایا۔ ''آپ کی بہن تالیہ کے بارے میں سن کے افسوس ہوا۔ کیا اس کی کوئی خیر خبر ملی؟''

صراحی میز پہ رکھ کے فاتح قدم قدم پیچھے ہٹا اور ابوالخیر اور مراد کی کرسیوں کے عقب میں جا کھڑا ہوا تھا۔ اس سوال پہ اس نے بھی تالیہ کی طرف نگاہیں موڑ دیں۔

''آپ کا شکریہ' آقا۔'' اس کے چہرے پہ اداسی پھیلی۔ ''تالیہ ایسی کھوئی ہے کہ نہ جانے اب واپس آ سکے گی بھی یا نہیں۔ خدا معلوم کیسے لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ برے برے خیال آتے ہیں مجھے۔ جیسے وہ کسی قید میں ہے اور بے بس ہے۔''

مراد نے گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھا' پھر خاموشی سے سلطان کو' جس نے افسوس سے سر ہلا دیا تھا۔

''خدا تعالیٰ آپ کی مشکلات آسان کریں۔'' پھر ذرا کھنکھارا اور ٹوکری سے ایک پھل نکال کے اس میں دانت گاڑھے۔

(ملکہ اب غیر آرام دہ نہیں ہوئی کیونکہ وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ وہ بار بار نا گواری سے تالیہ کو دیکھتی تھی جو کھانا شروع کر چکی تھی۔)

''چین کے کس شہر میں اتنے برس گزارے ہیں آپ نے؟''

''دارالحکومت میں کچھ عرصہ رہی ہوں۔'' وہ سادگی سے بولی۔ ''مگر اس سے زیادہ وقت ایک چھوٹے سے گاؤں میں گزارا ہے۔ اس کا نام تو کچھ اور ہے مگر میں اس کو کوالا لمپور کہتی تھی۔''

ہاتھ باندھے کھڑے فاتح نے ابرو اکٹھے کر کے تادیبی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ سوپ میں چمچ ہلاتی' سلطان کو دیکھ کے سادگی سے بتا رہی تھی۔ ''کوالا لمپور۔ یعنی گدلے پانیوں کا سنگم۔''

''واہ۔ اور کیسا تھا آپ کا کوالا لمپور؟'' وہ پھل کا ٹکڑا چباتے ہوئے محظوظ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے ایک نظر چھت اور اطراف پہ ڈالی۔

''اس دنیا سے بہت مختلف۔ ایک ترقی یافتہ خوبصورت شہر۔ جہاں ہر قسم کا عیش میسر تھا' مگر لوگ خالص نہیں تھے۔ وہ لالچ' اور طاقت کی ہوس کا شکار تھے۔

''وہاں کچھ لوگ بھیس بدل کے دوسروں کی قیمتی چیزیں چرا لیتے تھے۔ رات کی تاریکی میں نقب لگا جاتے تھے۔ اور کچھ....'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

''کچھ دن دہاڑے' بھیس بدلے بغیر سیاست کے نام پہ لوگوں سے ان کا اعتماد مانگتے' اور پھر حکومت کے بہانے خراج کے پیسوں کو بے نامی جائیدادوں میں چھپا دیتے ہیں۔ کھلم کھلا چوری۔

''وہاں ایسے ایسے ملازم بھی تھے جو ایک شخص کی چاکری کرتے مگر تنخواہ کسی اور سے لیتے....'' (فاتح بس اس کو دیکھ رہا تھا۔ باقی سب بھی سن رہے تھے اور وہ بولے جا رہی تھی۔)

''وہاں ایسی طاقتور بیویاں بھی تھیں جو میٹھے بولوں سے دوسروں سے فائدے حاصل کرتیں اور پھر مکھی کی طرح ان کو نکال باہر کرتیں۔ (یان سوفو نے پہلو بدلا)

''وہاں ایسے بدعنوان عہدیدار بھی تھے جو عوام کے خراج کے پیسوں سے ڈھیروں جائیدادیں اور اونچے قلعے نما گھر بنا لیتے تھے۔ (ابوالخیر داڑھی کو نوچتے ہوئے سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔)

''وہاں ایسے حکمران بھی تھے جو اپنی ناک تک پونچھ نہیں سکتے تھے مگر ان کو حکومت کے لئے ان کے ماں یا باپ کی گدی پہ بٹھا دیا جاتا تھا۔

(وانگ لی نے فوراً سے سلطان کی طرف دیکھا مگر یہ باتیں اس بگڑے بادشاہ کی عقل سے اوپر کی تھیں۔)

''وہاں لوگوں کو خراج' اور سودی معاشی نظام کے ذریعے ان دیکھی زنجیروں میں باندھا جاتا تھا۔ قوموں کی قومیں قرضے دے دے کے غلام بنالی جاتی تھیں۔ دن رات وہ غلام قومیں مشقت کرتی تھیں مگر ان کی زنجیریں ان کو بھاگنے دوڑنے تک نہیں دیتی تھیں اور وہ اپنے حقوق سے بے خبر کام کرتے رہتے تھے۔

''کوالالمپور' ملاکہ سے بہت مختلف تھا میرے آقا۔ وہاں عوام کے خراج کا پیسہ چوری کیا جارہا تھا مگر عوام کو خبر ہی نہ تھی۔ مگر وہاں بھی ایک آدمی ایسا تھا جس سے مجھے امید تھی کہ وہ سب سے مختلف ہے۔''

اس نے نظریں موڑ دیں اور راجہ مراد کو دیکھا۔ وان فاتح اس کے پیچھے کھڑا تھا' مگر وہ مراد کو دیکھتی رہی۔ سب کی نگاہیں مراد کی طرف مڑیں۔

''مجھے یقین ہے کہ وہی ایک ایسا شخص ہے جو ملاکہ کے لوگوں کے مسائل حل کرسکتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی بیٹی کو کھونے کا دکھ سہا ہے۔''

مراد ہلکا سا مسکرایا' اور سر قدرے جھکا لیا۔ تالیہ نے نظریں ذرا اوپر اٹھائیں۔ فاتح اسی کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نگاہ ملی۔ کیا نہ تھا ان نگاہوں میں۔

''وہ ایسا شخص ہے جو سیاست اور حکومت کے فن سے آشناء ہے۔ ایک وہی ہے جو مجھے لگتا تھا کہ اگر میرے ملک کا سب سے طاقتور عہدہ سنبھال لے....وزیرِ اعظم بن جائے....یعنی کہ بنداہارا....تو میرے ملک کے اکثر مسائل حل ہو جائیں گے۔'' اس نے نظریں سلطان کی طرف موڑیں۔ ''اسی لئے میں واپس آئی ہوں تاکہ اس کو مضبوط کرسکوں۔ ان کی مدد کروں۔ ان کا دایاں بازو بن جاؤں۔ اور میں وہ سب کام کروں جس کے باعث وہ مجھ پہ فخر کریں۔'' پھر گردن فخر سے بلند کی۔ ''میں تاشہ بنتِ مراد ہوں۔ میں کوئی عام عورت نہیں ہوں۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے اردگرد موجود مرد مجھے کوئی بے مصرف خوبصورت عورت سمجھ کے نظر انداز نہ کردیں۔''

(بورنگ پریٹی وومن) کرسی کے پیچھے کھڑا غلام مسکرایا تھا۔

تالیہ اب کھانا نکالنے لگی۔ سلطان جو سحر زدہ سا پھل کھانا بھول گیا تھا' آخر میں اثبات میں سر ہلانے لگا اور دوبارہ سے پھل اٹھا لیا۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد راجہ مراد کھنکھارا۔

''آقا...شہزادی تاشہ اپنا تعارف کرواچکی ہیں۔ اس لیے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں' وزیرِ خزانہ کے لئے ابوالخیر سے بہتر نام کسی کا نہیں ہوسکتا۔ یہ میری ایک تجویز ہے۔''

یان سوفو نے اتنی گہری سانس بھری کہ وہ سب اسے دیکھنے لگے۔ وہ دانت پہ دانت جما کے مسکرائی۔ ''آقا...مراد راجہ کی ذہانت اور وفاداری پہ کوئی شک کر بھی نہیں سکتا۔ ان کا تجویز کردہ نام بہت مناسب ہوگا میں جانتی ہوں۔ لیکن ابوالخیر کے لئے اس عہدے سے زیادہ بہتر کام ہیں جہاں ان کی قابلیت کو ہم استعمال کرسکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس عہدے کو اگر سن باؤ کے حوالے کردیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔''

''سن باؤ ملے نہیں ہیں ایک چینی باشندے ہیں۔ معذرت کے ساتھ۔'' راجہ مراد نے فوراً ہاتھ اٹھا کے ملکہ کو ٹوکا۔ ''سن باؤ چینی حکومت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ان کے اوپر بھی اگر ہم اپنے کاموں کی ذمے داری ڈال دیں تو ہمارے دوست ملک چین کو یہ بات اچھی نہیں لگے گی۔ ہمیں سن باؤ کو ایسے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہیے۔''

اپنے ذکر پہ سن باؤ نے سر جھکا دیا تھا۔ ابوالخیر البتہ دلچسپی سے داڑھی کے بال نوچتا دونوں اطراف کے دلائل سن رہا تھا۔

''بس بہت ہو گیا۔'' مرسل شاہ نے میز پہ ہاتھ مارا تو ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ایک موم بتی نیچے گر گئی۔ فاتح فوراً آگے بڑھا اور موم بتی اٹھا کے سیدھی کھڑی کی۔ پھر واپس اپنی جگہ پہ جا کھڑا ہوا۔

''شہزادی تاشہ کا کیا خیال ہے' اس عہدے کا اہل کون ہونا چاہیے۔''

سلطان کے الفاظ تھے' یا کیا۔ راجہ مراد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ملکہ کا رنگ اڑا۔ ابوالخیر نے برہمی سے بھنویں بھینچیں اور سن باؤ نے حیرت سے پہلے سلطان اور پھر تالیہ کو دیکھا۔

تالیہ نے رومال سے نزاکت سے لب تھپتھپائے اور پلکیں اٹھائیں۔ پھر مسکرا کے نرمی سے بولی۔

''آقا' مجھے اپنا خیال ظاہر کرنا ہے' تجویز پیش کرنی ہے یا مشورہ دینا ہے۔''

''مشورہ!'' مرسل نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

''اچھا مشورہ اگلے ہی لمحے نہیں دیا جا سکتا' آقا۔ آپ کے سامنے دو نام ہیں۔ ابوالخیر اور سن باؤ وانگ لی۔ مجھے ان دونوں شخصیات کا مطالعہ کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔ اگر آقا مجھے صبح تک کا وقت دے دیں تو میں کل محل میں حاضر ہو کے خود آقا کو اپنا مشورہ سنا دوں گی۔ عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کی اپنی صوابدید پہ منحصر ہو گا۔ ایسے ٹھیک ہے نا' ملکہ!''

سادگی سے پلکیں جھپکا کے یان سوفو کو دیکھا۔ وہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی تھی۔ مگر جبراً مسکرائی۔ ''ہاں' یہ مناسب رہے گا۔''

''بالکل۔ کل صبح آپ مشاورت کے لئے تشریف لے آیئے گا شہزادی۔'' مرسل شاہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ ملکہ نے غیر آرام دہ پہلو بدلا۔

ابوالخیر نے خشمگیں نگاہوں سے مراد کو گھورا جس نے جواب میں ''دھیرج'' کا اشارہ کیا اور تالیہ کو دیکھا۔ مگر سنہرے بالوں والی شہزادی شاہی آداب کا خیال رکھے پوری توجہ سے قہوے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

وان فاتح ہاتھ باندھے کھڑا مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بنگا رایا ملایو کے پہلے باب میں یہی لکھا تھا۔ مگر آگے.... آگے کیا ہو گا؟ اس نے بے اختیار سوچا تھا۔

☆......☆......☆

رات مزید سیاہ ہوئی تو ابوالخیر کی حویلی سے چلتے قافلے بنداہارا کے محل کے اندر پڑاؤ ڈالتے دکھائی دینے لگے۔محل کے باہر بگھی رکی اور خادم نے دروازہ کھولا تو تالیہ پائے دان پہ پیر رکھتی' ایک شان سے نیچے اتری۔لباس پہلوؤں سے اٹھایا اور قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ....گھوڑے کے تیز ٹاپ قریب آتے سنائی دیے۔

وہ رک کے دیکھنے لگی۔

مراد راجہ اپنا سیاہ چمک دار گھوڑا دوڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور لمبے سیاہ بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔وہ کھڑی رہی' یہاں تک کہ وہ اس کے قریب آیا اور گھوڑا روک لیا۔پھر ہاتھ سے اشارہ کیا تو تمام غلام اور کنیزیں دور ہٹتے چلے گئے۔

''اچھا لگا تمہارا آنا۔تمہاری باتیں بھی اچھی لگیں۔سلطان بھی کافی متاثر ہوئے تم سے۔'' گھوڑے پہ بیٹھے بیٹھے اس نے نظریں جھکا کے نیچے کھڑی تالیہ کو دیکھا۔وہ مسکرا دی۔دونوں محل کی عمارت کے باہر کھڑے تھے۔

''سلطان؟ کون سلطان؟ وہ بچہ جس کو تخت پہ بٹھا دیا گیا ہے' اور جو کھانے پینے اور موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے بعد فارغ اوقات میں آپ کے حکم کے مطابق شاہی حکم ناموں پہ مہر لگا دیتا ہے؟ وہ سلطان؟''

''وہ ہمارے آقا ہیں' تاشہ!'' مراد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔آواز میں گرج پیدا کی۔تالیہ گردن اٹھائے' اس کو دیکھتی رہی۔چند ثانیے کو قدیم ملاکہ کے اس محل کے سبزہ زار پہ خاموشی چھا گئی۔آسمان پہ دمکتا چاند اور بادل بھی ٹھہر کے ان دونوں کو دیکھتے رہے۔

''Cesium-137''

مراد کے ابرو ناسمجھی اور کوفت سے بھینچے۔''کیا؟''

''آپ نے مجھ سے پوچھا تھا راجہ' کہ تمہاری اور ہماری دنیا میں کیا فرق ہے۔صرف Cesium-137 کا فرق ہے۔(سر اٹھا کے آسمان کو دیکھا اور ناک سے سانس اندر کھینچی۔) ابھی یہ عنصر ہوا میں شامل نہیں ہوا مگر....(واپس چبھتی نظروں سے باپ کو دیکھا۔) آج سے پانچ سو سال بعد جب ایٹم بم پھٹے گا' اور دوسری جنگِ عظیم ہوگی تو یہ اس دنیا کی فضا میں شامل ہو جائے گا۔کوالالمپور اور قدیم ملاکہ میں صرف Cesium-137 کا فرق ہے' ورنہ خدا کی قسم' دنیا تب بھی ایسی ہی ہوگی اور دنیا اب بھی ویسی ہی ہے۔''

وہ ایک دم اتنی نفرت سے بولی کہ مراد اسے دیکھ کے رہ گیا۔

''وہی لالچ....وہی حکومت ملتے ہی اپنی پسند کے آدمی اعلیٰ عہدوں پہ لگانا...عوام کا خراج (ٹیکس) چوری کرنا...موروثی سیاست کرنا....باپ کی جگہ پہ بغیر کوئی کامیابی حاصل کیے بگڑے بیٹے کو بٹھا دینا...آپ بنداہارا نہیں ہیں' راجہ....آپ صرف....ایک...سیاستدان ہیں۔اور یہ مت سمجھیں کہ میں سیاستدانوں سے پہلی دفعہ مل رہی ہوں۔'' آخر میں استہزائیہ مسکرا کے سر جھٹکا تو گھوڑے پہ بیٹھا مراد نیچے اترا۔پیر رکاب سے آزاد کیے' گھوڑے کو تھپکا تو وہ ایک طرف بھاگ گیا' اور پھر وہ تالیہ کی طرف گھوما اور تحمل سے بولا۔

''ایسے ہی ہوتا ہے۔طاقت ملتی ہے تو شروع شروع میں سب کے دماغ ایسے ہی اوپر پہنچ جاتے ہیں۔دھیرج' تاشہ۔میرے ساتھ مل کے کام کرو۔یان سوفو کے آدمی کو لگانے کا مطلب جانتی ہو؟ وہ سارا خزانہ لوٹ کے چین بھجوا دے گا۔اگر تمہیں سلطان نے یہ طاقت دے ہی دی ہے کہ تم اس فیصلے میں ان کی معاونت کر سکو تو تمہیں وہ فیصلہ کرنا چاہیے جو اس ملک کے لئے اچھا ہو۔ہم ایک چینی عورت سے سلطان کی شادی تو کروا سکتے ہیں مگر سارا ملک بیچ کے اس کے حوالے نہیں کر سکتے۔''

تالیہ اس بات پہ مسکرا دی۔

''جیسا کہ میں نے کہا' میری دنیا اور آپ کی دنیا ایک سی ہے' راجہ۔مگر ان دونوں دنیاؤں میں آج بھی بڑے مقاصد کے لئے جینے والے' نڈر اور اچھے لوگ موجود ہیں۔یقین مانیے' آپ کی بیٹی اگر پہلے ان لوگوں میں سے نہیں تھی' تو اب ہوگی۔اب میں سیدھ میں چلتی ہوں اور آپ کو راجہ کہہ کے پکارتی ہوں۔آپ کو ایک اچھی بیٹی سے نہیں ڈرنا چاہیے' راجہ۔''اس نے نرمی سے مسکرا کے باپ کی کہنی تھامی اور جیسے یقین دلایا۔

''اور ان دونوں دنیاؤں میں سارے برے حادثات اچھے لوگوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں' میری بیٹی۔''

وہ ہموار لہجے میں کہہ کے آگے بڑھ گیا۔اس کی کہنی تالیہ کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔

''شریفہ۔''اپنی خواب گاہ میں آتے ہی تالیہ نے کنیز کو اشارہ کیا تو وہ فوراً دروازہ بھیڑ کے چلی آئی۔

''جی شہزادی۔''

''آج رات تم بابا کے پاس جا کے ان کو یہ بتاؤ گی کہ میں ابوالخیر کے حق میں فیصلہ دینا چاہتی ہوں۔تمہیں میری باتوں سے یہی لگتا ہے' ٹھیک۔''

''لیکن شہزادی اگر آپ نے سن باؤ کے حق میں فیصلہ دے دیا تو وہ مجھ پہ شک کریں گے۔''وہ متامل ہوئی۔

''اپنے وزن سے زیادہ بھاری ضرب نہ لگاؤ' شریفہ۔جو کہا ہے' وہ کرو۔''

اس نے کنیز پہ ایک برہم نظر ڈالی تو اس نے جلدی سے سرِ تسلیم خم کر دیا۔تالیہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔اس کا دماغ مسلسل تانے بانے بُن رہا تھا۔

☆......☆......☆

حویلی کے باورچی خانے کے باہر وہ ایک کھلی جگہ پہ بیٹھا تھا جہاں پانی کے ٹب بھرے رکھے تھے' اور وان فاتح دوسرے غلاموں کے ساتھ برتن دھو رہا تھا۔غلام دبے لفظوں میں آج کے شاہی مہمانوں کے بارے میں بات کر رہے تھے۔جس نے جس کی جتنی جھلک دیکھی تھی' وہ اس کو بڑھا چڑھا کے بتا رہا تھا۔

''بنداہارا کی حسین بیٹی'' گفتگو کا مرکز تھی۔ وہ جاتے وقت ایک غلام کو موتیوں کی مالا دے گئی تھی اور ان موتیوں کی چمک باقی سب کی آنکھیں خیرہ اور دل مغموم کیے ہوئے تھی۔ فاتح مسکرا کے سر جھکائے برتن دھوتے سنے گیا۔

''جلدی اندر آؤ۔ تمہیں مہمان کے لئے شوربہ لے کر جانا ہے۔'' بوڑھا باورچی عجلت میں اس کے سر پہ آ کے بولا تو فاتح نے چونک کے سر اٹھایا۔ گیلی چنگیر چھوڑ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''مہمان تو جا چکے ہیں۔''

''سن باؤ کو ابوالخیر نے شطرنج کی ایک بازی کے لئے روک لیا ہے۔ میں نے شوربہ تیار کر دیا ہے' تم لے جاؤ۔''

بوڑھا کچھ بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے سر کو خم دیا اور ہاتھ پونچھتا اندر آیا۔ سامنے لکڑی کی میز پہ سنہری طشتری رکھی تھی جس میں سنہرا پیالہ سوپ سے لبالب بھرا پڑا تھا۔ ساتھ میں سنہرا چمچ بھی رکھا تھا۔ یہ کھانا ہضم کرنے کا شوربہ تھا جو رات گئے پیا جاتا تھا۔

''کیا ہم اس پیالے میں پیش کریں گے؟ اور ان چاندی کے برتنوں کا کیا؟''

''جو کہا ہے وہی کرو۔ لے جاؤ اسے۔'' بوڑھے نے ہاتھ جھلا کے کہا۔ فاتح میز کے قریب آیا۔ سوپ میں سے بھاپ تھوڑی بہت نکل رہی تھی۔ وہ کافی دیر پہلے ڈالا گیا تھا۔ ابھی اس نے باورچی خانے میں ابوالخیر کی آواز سنی تھی۔ وہ باورچی سے کچھ کہنے آیا تھا۔ سوپ کا پیالہ بھی پیتل کا تھا۔ نہ کے چاندی کا۔

طشتری اٹھاتے ہوئے اس کا ذہن تیزی سے چلنے لگا۔

بوڑھا باورچی اڑی رنگت کے ساتھ وہیں نیچے بیٹھ گیا اور سر جھکائے' آنکھیں میچ کے قرآنی آیات پڑھنے لگا۔ استغفار۔ توبہ۔ گلٹ۔

وان فاتح کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے آہستہ سے قدم آگے بڑھا دیے مگر ذہن اسی پیتل کے پیالے پہ اٹک گیا تھا۔

کیا ابوالخیر' سن باؤ کو زہر دینے جا رہا تھا؟

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ مگر اب وہ رک نہیں سکتا تھا۔ وہ غلام تھا۔ اسے آگے جانا تھا۔

(اس زمانے میں عموماً arsenic بطور زہر استعمال ہوتا تھا۔ چاندی کے برتن میں آرسینک ملا کھانا اگر ڈالا جائے تو برتن سیاہ پڑ جاتا تھا اور زہر کی تشخیص ہو جاتی تھی۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کے باعث بھی امراء اور اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے کیونکہ چاندی جراثیموں کو بھی مار دیتی تھی اور زہر کے بارے میں خبردار بھی کر دیتی تھی۔)

دیوان خانے میں شام والی جگہ پہ اسٹول کے اردگرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ مگر اب پہلے جیسی شگفتگی ان کے مزاجوں میں نہ تھی۔ ابوالخیر خاموشی سے سن باؤ کا جائزہ لے رہا تھا جو منہ پہ دو انگلیاں رکھے غور سے بساط کو دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ ابوالخیر نے فاتح کو آتے دیکھا تو سر کو خم دیا۔ (ادھر رکھ دو۔)

چند گز کا فاصلہ میلوں کا ہو گیا تھا۔ وہ بھاری قدم اٹھاتا قریب آیا اور جھک کے اسٹول پہ طشت رکھا' ایسے کہ اس کی پشت ابوالخیر کی طرف تھی اور چہرہ سن باؤ کی طرف۔ سن باؤ نے شطرنج سے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

فاتح نے سیدھے ہوتے ہوئے آنکھوں کو پہلے پیالے پہ جھکایا.... پھر سن باؤ کو دیکھا....اور ہونٹوں کو ''نو'' میں گول کر کے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ (نہیں۔)

سن باؤ چونکا۔

فاتح نے نظریں جھکا دیں اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ سن باؤ بظاہر شطرنج کو دیکھنے لگا مگر اس نے تھوک نگلا تھا۔

لمحے بھر کا کھیل جیسے برسوں کا احسان چڑھا گیا۔

فاتح رامزل خاموشی سے چلا آیا۔ دروازے کے باہر رک کے اس نے اوٹ سے دیکھا۔

سن باؤ اب مہرہ اٹھا کے چال چل رہا تھا۔ بظاہر بے دھیانی میں مخالف پیادہ مار کے اس نے گوٹ کو اسٹول پہ رکھنا چاہا تو پیالے کو ہاتھ لگا۔ نازک پیالہ کنارے پہ رکھا تھا' فوراً لڑھک گیا۔ سارا سوپ نیچے چھلک گیا۔ ابوالخیر جہاں دھک سے رہ گیا' وہیں سن باؤ پریشانی سے کھڑا ہو گیا۔

فاتح نے سکون کا سانس لیا۔ ابوالخیر غلاموں کو پکار رہا تھا۔ وہ فوراً کپڑا لئے اندر لپکا۔ اسٹول کے قریب پنجوں کے بل بیٹھے' اس نے فرش صاف کیا اور اوندھے پڑے پیالے کو طشت میں رکھا۔

''تازہ شوربہ لاؤ۔ جلدی۔'' ابوالخیر نے برہمی سے حکم دیا مگر سن باؤ اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں' اس کی ضرورت نہیں ہے' میں اب چلتا ہوں۔ کافی تھک گیا ہوں۔'' وہ اٹھ کے شائستگی سے معذرت کرنے لگا۔ ابوالخیر جبراً مسکرا کے کھڑا ہوا اور اس سے مصافحہ کیا۔

''میں معذرت خواہ ہوں' وانگ لی۔ اس غلام نے ٹھیک سے پیالہ رکھا نہیں تھا۔ اگر تم ذرا دیر بیٹھ جاتے تو....''

''نہیں میری اپنی غلطی ہے۔ مجھے چال چلتے ہوئے احساس نہیں ہوتا کہ میرے دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے سادگی سے کہہ کے ابوالخیر سے ہاتھ ملایا۔ فاتح خاموشی سے سر جھکائے طشت اٹھائے کھڑا ہو گیا۔

جس وقت وانگ لی باہر اپنے گھوڑے پہ سوار ہو رہا تھا' فاتح باورچی خانے کے دروازے پہ کھڑا تھا جو سامنے صحن میں کھلتا تھا۔ سن باؤ وانگ لی نے رکاب میں پیر ڈالتے ایک نظر دور کھڑے' سینے پہ بازو لپیٹے نظر آتے غلام کو دیکھا' اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔ تشکر۔ احسان مندی۔ ممنونیت۔ کیا تھا جو اس کی آنکھوں میں نہ تھا۔

فاتح نے محض آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ مثبت اشارہ.... چہرے کو سپاٹ رکھا۔ وانگ لی گھوڑے پہ سوار ہوا اور اسے ایڑھ لگا دی

۔وہ اس کے قدموں کی دھول کو کافی دیر تک دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

سلطان مرسل شاہ کا ''سلطنت محل'' بالکل ویسا تھا جیسا آج کے ملاکہ میں تھا۔فرق یہ تھا کہ سولہویں صدی میں پرتگالیوں نے جب ملاکہ پہ قبضہ کیا اور مسلمان سلطنت کا خاتمہ کیا تو بہت سی دوسری چیزوں اور عمارتوں کے ساتھ اس محل کو بھی جلا ڈالا۔اب ملائیشیاء میں کچھ سال پہلے پرانی کتابوں' نقشوں اور تاریخی اوراق سے محل کا نقشہ اور پینٹنگز ڈھونڈ کے اکٹھی کی گئیں اور ان کو سامنے رکھ کے ہو بہو ویسا ہی محل تعمیر کیا گیا جو کہ اب ایک میوزیم ہے۔

ملکہ یان سوفو بیدار ہونے کے بعد آج عجلت میں تیار ہوئی تھی۔رات سلطان اس سے بات کیے بغیر ہی اپنی آرام گاہ میں چلا گیا تھا۔سلطان کا حصہ الگ تھا' اور محل کا حرم الگ۔ملکہ حرم کی نگران تھی۔وہ حرم میں رہتی تھی۔مگر آج صبح وہ وقت سے پہلے تیار ہو کے حرم سے باہر نکل آئی اور اپنی کنیزوں کی معیت میں محل کے مرکزی حصے تک آئی۔درمیان میں وسیع وعریض لان پھیلا تھا۔

وہ سنگھار زدہ چہرے پہ پریشانی طاری کیے دربار کی طرف جا رہی تھی کہ دیکھا...سامنے راہداری میں راجہ مراد چلتا آ رہا ہے۔اس کا رخ بھی دربار کی طرف تھا۔یان سوفو کے ماتھے پہ بل پڑے۔لب بھینچ کے تیزی سے آگے آئی اور دربار کے دروازے پہ راجہ کا راستہ روک دیا۔

وہ جو کمر پہ ہاتھ باندھے سنجیدہ صورت بنائے چلتا جا رہا تھا' چونک کے رکا' پھر اسے دیکھا تو سر پورا جھکا کے اٹھایا۔''ملکہ!''

''صبح ہی صبح آقا سے ملنے جا رہے ہیں آپ' راجہ؟''

مراد دھیرے سے مسکرایا۔''میں تہجد پڑھتے ساتھ ہی الور سونگائی چلا گیا تھا' وہاں سے واپسی پہ اپنے محل جانے کی بجائے سیدھا ادھر آ گیا۔آقا کو میری ضرورت ہوگی۔''

''یا شاید آپ جلد از جلد آقا سے مل کے ان کے فیصلے پہ اثر انداز ہونا چاہتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے بولی۔''مگر آپ کو اس کے لئے انتظار کرنا ہوگا۔کیونکہ میں پہلے آقا کے پاس جا رہی ہوں۔''

''جیسا آپ کا حکم' ملکہ!'' اس کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مراد نے سر جھکا کے اٹھایا۔یان سوفو مسکرا کے آگے بڑھی اور دربار کے دروازوں کے سامنے کھڑے پہریداروں کو حکم دیا۔

''آقا کو خبر کرو۔''

''معذرت ملکہ مگر آقا مصروف ہیں۔''

جہاں یان سوفو ٹھٹکی' وہیں پیچھے کھڑے مراد نے بھی چونک کے اس طرف دیکھا۔

''ابھی تو درباری اور وزراء بھی تشریف نہیں لائے تو پھر آقا کس کے ساتھ مصروف ہیں؟''

''شہزادی تاشہ آئی ہوئی ہیں' ملکہ۔آقا نے کہا ہے کہ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔''

یان سوفو کا چہرہ خفت اور غضب سے سرخ پڑنے لگا' مگر وہ پیچھے مڑ کے مراد کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔

اندر دربار مستطیل سا تھا۔دونوں اطراف اونچی شاہی کرسیوں کی قطاریں لگی تھیں جو خالی تھیں۔آخر میں چبوترے پہ بڑا سا شاہی تخت رکھا تھا۔تخت پہ مرسل اپنی پوشاک پھیلائے بیٹھا تھا۔ٹوپی اور تاج سر پہ تھا اور وہ دلجمعی سے اپنے سامنے کھڑی تالیہ کو دیکھ رہا تھا جو رات کی طرح بناؤ سنگھار سے لیس تھی۔مگر آج لباس سفید اور ہلکا زرد تھا۔اور بال گھنگریالے کر کے کندھے پہ آگے کو ڈال رکھے تھے۔مودب سی سامنے کھڑی وہ کہہ رہی تھی۔

''آپ کو چناؤ خود کرنا ہے' آقا۔میرا بہترین مشورہ تو یہ ہے کہ آپ یہ فیصلہ کسی دوسرے کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ خود لیں۔''

''آپ بیٹھ جائیے' شہزادی۔'' وہ بے ساختہ بولا تھا۔

''آقا!'' وہ مسکرائی۔''یہ ملکہ کی جگہ ہے اور یہاں بیٹھنا شاہی آداب کے خلاف ہے۔مجھے معاف کیجئے' میں کھڑی ٹھیک ہوں۔''

''پھر آپ ہی بتائیے' مجھے کس کا انتخاب کرنا چاہیے۔''

مرسل نے گہری سانس لی۔وہ آگے ہو کے بیٹھا تھا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

''وانگ لی بہت ایماندار اور اچھا آدمی ہے' وہ پوری دنیا گھوما ہے' ہر طرح کے لوگوں سے ملنے کا تجربہ رکھتا ہے۔وہ ابھی ایک لمبا عرصہ ملاکہ میں رہے گا۔جبکہ ابوالخیر کو تجارت اور حساب کتاب کا بہت تجربہ ہے۔اس کے ملاکہ میں ہر اونچے شملے والے سے تعلقات ہیں اور وہ بہت ذہین بھی ہے۔''

''یعنی دونوں ہی اچھے ہیں مگر دونوں کو تو نہیں رکھا جا سکتا۔کسی ایک کو منتخب کرنا ہوگا۔''

''آقا۔بات یہ ہے کہ وانگ لی کبھی نہ کبھی چین چلا جائے گا' اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم کسی ایسے آدمی کو رکھیں جو ملاکہ میں ہی رہے' اور جس کی قبر بھی اسی ملک میں بنی ہوتا کہ ہمیں اس کی وفاداری پہ شک کرنے کا جواز ہی نہ ملے....'' وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھی۔''فیصلہ آپ کو ہی کرنا ہے....جیسے آپ چاہیں' جو آپ بہتر سمجھیں مگر میری رائے میں....''

دربار کے دروازے کھلے تو باہر کھڑی ملکہ اور مراد تیزی سے اس طرف گھومے۔چند وزراء اور درباری جو پہنچ چکے تھے' وہ بھی فوراً سیدھے ہوئے۔

مرسل شاہ اور تالیہ ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے۔مرسل نے ہاتھ کمر پہ باندھ رکھے تھے اور گردن کڑا کے چل رہا تھا جبکہ تالیہ لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے مسکراتی ہوئی باہر آ رہی تھی۔ملکہ کو دیکھ کے فوراً جھکی۔

''ملکہ!''

یان سوفو نے اپنی ناپسندیدگی چھپانے کی زحمت بھی نہ کی۔ گھور کے مرسل کو دیکھا مگر وہ اس طرف متوجہ نہ تھا۔

''بنداہارا۔'' مرسل نے اٹھی گردن کے ساتھ حکم جاری کیا۔ ''تم وزیرِ خزانہ کی تعیناتی چاہتے تھے نا۔''

مراد نے ''جی آقا'' کہتے ہوئے ایک بے چین نظر تالیہ پہ ڈالی۔

''سرکاری دستاویزات بنوا کے لے آؤ۔ میں ابوالخیر کو ملاکہ کا نیا وزیرِ خزانہ مقرر کرتا ہوں۔''

جہاں مراد کے لبوں سے ایک تھکی ہوئی سانس نکلی، وہیں یان سوفو کی آنکھیں بے یقینی اور غصے سے پھیلیں۔

''مگر آقا.....'' وہ منمنائی۔

تالیہ اور مراد نے فاتحانہ مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا تھا۔

''شہزادی تاشہ آج سے دربار کا حصہ ہوں گی۔ میری خاص مشیر کے طور پہ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو جلد از جلد ان کی 'کرسی' (زور دیا) اور قلمبندان مہیا کر دیا جائے۔''

مراد نے مسکرا کے سر جھکایا۔ ''جو حکم آقا۔ میں ابھی بندوبست کر دیتا ہوں۔''

سامنے برآمدے میں کھڑے وزراء اور درباریوں نے مسکرا کے مبارک سلامت کی آوازیں بلند کیں۔ تالیہ نے مسکرا کے سر جھکا کے مبارکباد قبول کی پھر مرسل شاہ کی طرف دیکھا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک عرض کروں، آقا؟''

یان سوفو تندہی سے اسے گھور رہی تھی مگر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ مرسل مسکرا کے حوصلہ افزائی سے بولا۔ ''کہیے شہزادی۔'' اس کی گردن آج پہلے سے زیادہ اٹھی ہوئی تھی۔

''میں شاہی مشیر کے طور پہ اپنا پہلا حکم جاری کرنا چاہتی ہوں۔''

مراد کی مسکراہٹ سمٹی۔ چونک کے اسے دیکھا۔ وہ واضح الجھا ہوا نظر آتا تھا۔

''بالکل۔ جو آپ مناسب سمجھتی ہیں، کہیے۔''

تالیہ نے چہرہ برآمدے میں کھڑے درباریوں اور وزراء کی طرف موڑا۔ وہ سب قیمتی پوشاک اوڑھے، خوبصورت پتھروں سے مزین ٹوپیاں پہنے کھڑے معزز افراد تھے۔ اس کی نگاہیں ان کے درمیان کھڑے ایک بوڑھے شخص پہ رکیں جو ہاتھ میں کاغذوں کا دستہ اٹھائے ہوئے تھا۔

''سیرل بن مرلی صاحب۔ آپ شاہی مورخ ہیں اور ملاکہ کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔''

اس کا پکارنا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ سیرل اچنبھے سے آگے آیا۔

''جی شہزادی۔'' جہاں وہ حیران تھا' وہاں ہلکا سا خوفزدہ بھی۔ حکومت ملتے ہی یہاں سب طاقت کے اظہار کے پہلے قدم کے طور پہ کسی کی گردن مار دیتے تھے۔

''کیا آپ نے قدیم مصر پہ لکھی کتابیں پڑھی ہیں؟''

''آ.... نہیں شہزادی.... مگر....''

''اور آپ قدیم یونان کی تمام جنگوں کی تاریخوں سے واقف ہیں؟''

''نہیں مگر....''

''اور آپ کو ہندوستان کے شاہی خاندان کا چودہ نسلوں تک کا شجرہ زبانی یاد ہے؟''

''نہیں' لیکن...''

''آپ کو آپ کی شاہی ملازمت سے برخاست کیا جاتا ہے' سیرل۔ آج سے آپ آزاد ہیں۔''

وہاں ٹھنڈی خاموشی چھا گئی تو وہ گہری سانس لے کر بولی۔'' بے فکر رہیے۔ میں آپ کی گردن مار دینے کا حکم نہیں جاری کروں گی۔ تاشہ کو اپنی طاقت کا اظہار کرنے کے لئے کسی کا خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تاشہ کے پاس....'' انگلی سے دماغ پہ دستک دی۔'' یہ ہے۔''

پھر ذرا سا مسکرائی۔'' آپ آزاد ہیں۔ میں شاہی سپاہیوں کو حکم جاری کرتی ہوں کہ عزت و اکرام سے آپ کو اس محل سے رخصت کر دیں۔ آپ شہر چلے جایئے اور کوئی نیا کام ڈھونڈیے۔''

یان سوفو تن فن کرتی آگے آئی۔'' کیا کسی کو نوکری سے اس لئے برخاست کر دینا درست ہے کہ اس کو یونان کی تاریخ نہیں معلوم؟''

''آپ کو معلوم ہے' ملکہ؟'' وہ اسی روانی سے بولی تو یان سوفو کا سانس اٹک گیا۔ چہرہ توہین سے سرخ ہوا۔ چند عزیزین' یہاں تک کہ مراد نے بھی تادیبی نظروں سے تالیہ کو گھورا مگر وہ مرسل شاہ کی طرف متوجہ تھی۔

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو آقا کے پاس صرف مسائل لے کر آتے ہیں۔ میں مسائل کا حل لے کر بھی آتی ہوں۔ پچھلے دنوں میں نے اپنے کتب خانے میں ایک ایسے نوجوان خادم کو پایا ہے جو کتابیں پڑھنے اور لکھنے سے شغف رکھتا ہے۔ وہ بنگارایا ملایو نامی ایک کتاب لکھ رہا ہے۔ میں اس کی تحریر سے بہت متاثر ہوئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اسے شاہی مورخ مقرر کر دیا جائے اور پھر جو تاریخ وہ لکھے' آقا کی شان میں جو قصیدے اس کے قلم سے تحریر ہوں' وہ صدیوں تک سلطنتِ ملاکہ کے لوگوں کو زبانی یاد رہیں۔ وہ اپنے کام میں اتنا ماہر ہے آقا' کہ مجھے یقین ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لکھے الفاظ کو قیامت تک کے لئے امر کر دے گا اور ایک وقت آئے گا جب ملاکہ کے بچے مدرسوں میں نصاب کے طور پہ ہمارے آقا کے قصے پڑھ کے بڑے ہوں گے۔ آقا کے ذکر کے بغیر کسی شخص کی تعلیم مکمل نہیں ہو سکے گی۔

اگر آپ اجازت دیں' تو میں اس کو شاہی مورخ مقرر کر دوں' آقا۔'' وہ جتنی نرمی اور ادب سے کہہ رہی تھی' وہاں کھڑا ہر شخص محو ہو کے سن رہا تھا۔

''اس کا تعارف سن کے اچھا لگا مجھے۔ اس کو بلاؤ اور مورخ کا قلمبندان اس کے حوالے کر دو' مراد۔'' راجہ کو حکم جاری کرنے کے بعد تالیہ سے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔ ''ویسے نام کیا ہے اس کا؟''

تالیہ طمانیت سے مسکرائی۔

''آدم۔ آدم بن محمد۔''

☆......☆......☆

دربار برخاست ہوتے ہی یان سوفو تن فن کرتی اپنے کمرے میں واپس آئی تھی۔ تمام غلاموں کو اس نے باہر بھیج دیا اور ایک چینی عہدیدار کو اپنے پاس بلایا۔

جب وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے تو وہ اس کے قریب آئی اور چبا چبا کے کہنے لگی۔

''شہزادی تاشہ خود کو راجہ مراد کی بیٹی.... اس کی کسی چینی بیوی کی اولاد کہتی ہے۔ جس شہر کا نام اس نے بتایا تھا' تم ابھی چین جاؤ اور اس شہر کا دورہ کرو۔ ایک ایک شخص سے مراد کی بیٹی تاشہ کے متعلق پوچھو۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کون ہے۔ کیا یہ واقعی شہزادی ہے' یا کوئی کرائے کی عورت جسے مراد نے میرے خلاف تیار کر کے مرسل کے پاس بھیجا ہے۔''

وہ دانت پیس کے کہہ رہی تھی اور اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی۔

''اصطبل سے تازہ دم گھوڑا لو' سفر کا سامان باندھو اور ابھی فوراً روانہ ہو جاؤ۔''

وفادار چینی عہدیدار نے فوراً سر جھکایا۔ ''جو حکم ملکہ۔'' اور تیزی سے باہر کو لپکا۔

ادھر ابوالخیر کے باورچی خانے میں کھڑے چاول صاف کرتے فاتح نے سر اٹھا کے ایک دم بوڑھے باورچی کو مخاطب کیا۔

''آج کیا تاریخ ہے؟''

بوڑھا جو مصروف انداز میں سبزے کے پتے نکال رہا تھا' تاریخ بتا کے سرسری سا پوچھنے لگا۔ ''کیوں؟ آج کے دن کیا ہونا ہے؟''

فاتح سوگواریت سے مسکرایا۔ ''آج کے دن شہزادی تاشہ نے آدم بن محمد کو شاہی مورخ مقرر کیا تھا۔ وہ آدم بن محمد جس نے بنگا رایا ملایو نامی کتاب لکھی تھی جو چھ سو سال بعد بھی نصاب میں پڑھائی جاتی رہے گی۔ آدم بن محمد۔'' دل میں سوچ کے وہ مسکرایا اور سر جھٹکتے ہوئے چاولوں پہ جھک گیا۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے محل میں شہزادی تاشہ کے کمرے کے پردے ہٹے تھے اور دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ سلطنت محل سے واپس پہ وہ سیدھی کمرے میں آ گئی تھی اور بستر کنارے پہ بیٹھی مسکرا کے ایڈم کا متوقع ردِعمل سوچ رہی تھی جو اپنے مورخ بن جانے کی خبر سن کے دینے

والا تھا۔اسے بار بار ہنسی آ رہی تھی مگر کنیزوں کی موجودگی کے باعث وہ اسے دبائے ہوئے تھی۔

کنیزیں اور غلام اس سامان کو اس کے کمرے میں رکھ رہے تھے جو مرسل شاہ نے تاشہ کے گھر جاتے ہی بھجوایا تھا۔خالص ریشم' شہد' موتیوں کی مالائیں....اور....تالیہ نے وہ مخملیں ڈبی کھولی....ایک قیمتی انگوٹھی۔

اس پہ آنسو شکل کا سرخ یاقوت جڑا تھا اور ننھے ہیرے آنسو کے کناروں پہ لگے تھے۔وہ اتنی خوبصورت اور سحر انگیز تھی کہ چند لمحے کے لئے وہ بھی شل رہ گئی۔پھر لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔اس نے انگوٹھی نکالی اور انگلی میں پہنی۔

اگلے ہی لمحے آنکھوں کے سامنے ایک منظر لہرایا۔

ایک خواب....

رات کا سیاہ آسمان تھا....چاند چمک رہا تھا.... پہاڑی کا راستہ دشوار گزار اور پتھریلا تھا....اونچا نیچا....اور وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے....تالیہ آگے تھی....ایڈم پیچھے تھا....لباس اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا....بس تاریکی میں گویا دو ہیولے تھے جو اوپر چڑھتے جاتے تھے۔تالیہ کے ہاتھ میں وہی سرخ یاقوت والی انگوٹھی چمک رہی تھی۔

''چے تالیہ....'' وہ پیچھے سے ہانپتا ہوا بولا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ایڈم!''

''آپ کیا کرنے جا رہی ہیں؟''

''میں ہم دونوں کو بہت امیر کرنے جا رہی ہوں ایڈم!'' وہ چلتے چلتے رک گیا۔

''کیسے؟'' وہ پلٹی اور چمکتی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔''تاشہ کے خزانے سے جسے ہم دونوں کھود کے نکالیں گے۔''

''کیا؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ایڈم کہ تاشہ نے اس دیوار پہ وہ نظم کیوں لکھی تھی؟'' وہ مسکرائی۔

''کیوں؟''

''تاکہ ایڈم اور تالیہ اس دیوار تک جائیں اور وہاں مدفن خزانے کے راز کو کھود نکالیں۔ہم دنیا کے سب سے طاقتور لوگ بن جائیں گے' ایڈم۔''

''اور وان فاتح؟'' وہ پوچھ رہا تھا مگر تصویر دھندلی پڑتی گئی.....

وہ چونکی۔خواب ٹوٹا۔اس نے بے یقینی سے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھا۔یہی انگوٹھی اس نے خواب میں بھی پہن رکھی تھی۔

وہ سمجھی تھی کہ اس خواب کی تعبیر اس دن ہو گئی تھی جس دن ایڈم اور وہ مل کے سن باؤ کے گھر جا کے خزانے کو نکالنے کا سوچ رہے تھے۔

مگر نہیں۔اس کے خواب ہو بہو مستقبل کا عکس ہوتے تھے۔

یعنی یہ منظر ابھی آنا تھا۔

یہ ”مستقبل“ تھا۔

یعنی....اس نے بےیقینی سے سوچا......خزانہ واقعی اپنا وجود رکھتا ہے۔

خزانہ ’ہے‘۔

خزانہ ’واقعی‘ ہے۔

تالیہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔اس کی آنکھیں ایک دم چمکیں۔

وہ چابی لے کر جب ایڈم اور فاتح کے ساتھ واپس جائے گی تو وہ خالی ہاتھ نہیں جائے گی۔

خزانہ اس کا تھا۔صرف اس کا۔

اور وہ اسے لے کر ہی قدیم ملاکہ سے واپس جائے گی۔



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول **حالم** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔